کتاب وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:13 Issue:1 January 2020

مدیر
مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

یہ وقت خود احتسابی کا ہے

مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ‌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿سورۃ آل عمران:۱۹۶﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کا شہروں میں (خوش حالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے۔

تشریح: انسانیت کی خوش حالی و بدحالی کا دارومدار پروردگار کی رضا و ناراضگی پر ہی نہیں ہے، کبھی خوش حالی استدراج کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی بدحالی ابتلاء وآزمائش کے سبب، کسی کی فراخی کو دیکھ کر رضاء خداوندی کا فیصلہ کرنا اور کسی کی تنگدستی پر ناراضگی کا حکم لگانا دستور خداوندی کے سراسر خلاف ہے، دنیا میں عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے اہلِ ایمان اتنے خوش حال نہیں ہوتے جتنے بے دین ہوتے ہیں، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی وجہ بتلادی گئی ہے؛ لیکن جب کبھی مسلمان حالات کا شکار ہوتے ہیں ان پر ان کی زمین تنگ کردی جاتی ہے تو ایسے نامساعد حالات میں ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگتی ہے کہ ہم کلمہ گو خدا پرست موحد مسلمان ہیں یہ حالات کا دھارا کب درست ہوگا؟ عرش سے مدد کیوں نہیں آتی؟، غیبی نصرتیں کس دن کے لئے ہیں؟، ظالم حکمرانوں سے انتقام کب لیا جائے گا؟ اس قسم کے خیالات نہ صرف ذہن میں اُٹھتے ہیں بلکہ بعض جلد باز کوتاہ نظر مسلمانوں کے زبان پر بھی ایسی باتیں آجاتی ہیں۔

ذرا غور کرنے اور اپنا احتساب کرنے کا مقام ہے کہ جیسے ہم اپنی عظمت رفتہ کی واپسی کے خواہشمند ہیں ایسے ہی اسلاف کی پاکیزہ زندگی سے اپنے اعمال و کردار کا تقابل بھی کرنا چاہیے، یہ تاریخ گواہ ہے کہ جس دور میں ایمان پختہ، کردار مظبوط تھے، بشارتیں بھی ملیں، نصرتیں بھی آئیں، قیادت و اقتدار بھی حاصل رہا اور جب ہم

ایمان واعمال میں کمزور ہوگئے ہماری دعائیں بھی بے اثر، اورفریادیں بھی مسترد ہوگئیں حالانکہ کل بھی وہی خدا تھے جو آج ہے، جو وعدے کل پورے ہوئے وہ آج بھی ہو سکتے ہیں، فرق اتنا رہ گیا قرنِ اول میں وعدے وفا ہونے کی جو شرائط تھیں وہ آج مفقود ہوگئیں، حق تعالیٰ نے ایفائے عہد کو مشروط رکھا ہے، سربلندی کے خواہشمند ہوتو کامل مؤمن بنو، خدا کی یادوں میں رہنا چاہتے ہوتو اس کو یاد رکھا کرو، مصائب میں مدد خداوندی کے منتظر ہوتو فراخی میں اللہ کو یاد کرو، نصرت کے خواستگار ہوتو اللہ کے دین کے حامی وناصر بنو، غرض یہ کہ ہم جتنے وعدے اللہ سے پورے ہونے کی اُمید لگاتے ہیں وہ سب کے سب شرائط پر مبنی ہیں بس ہم کو وہی شرائط پورے کرنا ہے، اپنی زندگیوں میں اعمال کو وجود میں لانا ہے، پھر ان اعمال کو اخلاص کے ساتھ مزین کرنا ہے، پھر دیکھنا کہ پروردگار لا یخلف المیعاد ہے، وعدہ وفا کرکے رہے گا۔

اس وقت ہمارے ملک کی صورتحال یہ ہے کہ کفر دندناتا پھر رہا ہے ,ظالم طاقتیں سر جوڑ کر ہماری بربادی کے منصوبے بنارہی ہیں، ہم کو بے وطن کرنے یا ہم پر اپنی تہذیب کو مسلط کرنے کی ناپاک کوشش میں مگن ہیں یا پھر ہمارے مقتل تیار کئے جارہے ہیں۔

ایسے نازک حالات میں ہمارا یہ فرض ہے کہ باطل تہذیب کی یلغار کو سمجھیں اور تہذیب محمدی کو دل وجان سے نہ صرف قبول کریں بلکہ اس کے مطابق اپنے کردار کو سنوارنا شروع کردیں، غیروں کو اپنے اخلاق سے متاثر کریں ان سے ربط وتعلق کو مستحکم بنائیں، ان میں جو ظالم ہیں ان کی طاقت غلبہ سے متاثر ہوئے بغیر وقت کے تقاضوں کے مطابق تدبیریں اختیار کریں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ ہمارا جرم بس" لا الہ الا اللہ" کا اقرار ہے، اگر یہ جرم ہے تو ہم اپنے جرم پر خوش ہیں لیکن اس وقت سب بڑی حقیقت یہ ہے کہ دشمن ہمارے خلاف جو بھی ہتھیار استعمال کررہا ہے اس کا مقصد اپنی تہذیب کا تسلط ہے، تہذیبوں کا تصادم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی ہوا تھا، وہی تصادم آج بھی ہے، دانشمندی یہ ہے کہ ہم تہذیب محمدی پر بہ قلب وجاں عمل کریں پھر عظمت رفتہ کی فریاد اور تمنا کریں۔

مُلک کی سنگین صورت حال

اور حدیث نبوی سے راہنمائی

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ لا تَتَمَنَّوْا لقاءَ العَدُوِّ وَسَلُوا اللہَ العافیۃَ فاذا لَقِیْتُم فَاصْبروا، واعْلَمُوا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف، ثم قال اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب، وھازم الأحزَاب اھزمھم وانْصرنا علَیْھِم. (رواہ البخاری، کتاب الجھاد، باب لاتتمنوا لقاء العدو)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگو، پھر جب مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی اختیار کرو، اور یقین کرو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے، پھر فرمایا: اے قرآن کے نازل کرنے والے، بادلوں کے ہانکنے والے اور کفار کے لشکروں کو شکست دینے والے ان کو شکست دیجئے اور ان کے مقابلہ میں ہماری نصرت و مدد کیجئے۔

تشریح: سن ۵ر ہجری کا وہ کیسا مشکل وقت تھا جب مدینہ منورہ میں یہ اطلاع پہونچی کہ کفارِ مکہ ابوسفیان کی سیادت میں متحدہ محاذ کے ساتھ اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خاتمہ کے لئے انہوں نے اپنی پوری طاقت جھونک دی ہے، ایک جانب مکہ سے نکلا ہوا دس ہزار افراد کا لشکرِ جرار، دوسری جانب اطرافِ مدینہ میں رہنے والے قبائل بنونضیر و بنوقریظہ کی سازش و بدعہدی، تیسری جانب آستین کے سانپ منافقین کے اعذارِ لنگ اور مقابلہ سے فرار کی کوشش، چوتھی چیز سخت سردی کا موسم اور پھر اس میں چلنے والی یخ بستہ ہوائیں، ایسے پُرآشوب حالات میں نبی رحمت ﷺ صحابہ سے مشورہ کر رہے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ اور کیسے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دشمن کا مقابلہ کیا جائے ، مختلف آراء پیش ہوئیں بالآخر فارس کی آزمودہ کار شخصیت حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر اتفاق ہوگیا کہ مدینہ منورہ کے اطراف خندق کھودی جائے ، کام اور ذمہ داریاں تقسیم کی گئیں اور سارے صحابہؓ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصروف کار ہوگئے ، آٹھ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد ابھی مدینہ کے اطراف خندق تیار ہوئی تھی کہ کفار کا لشکر آدھمکا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کی جماعت لے کر مقابلہ کے لئے کوہِ سلع کے قریب جا پہونچے ، دونوں فریقین کے درمیان خندق حائل تھی ، عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ فرمادیا تھا ، تقریباً دو ہفتے محاصرہ رہا ، اس درمیان کچھ تیر اندازی اور کبھی مقابلہ آرائی ہوتی رہی ، سخت سردی کے دنوں میں بے سروسامان مسلمانوں کی جماعت فاقوں اور طویل محاصرے سے بے چین ہوگئی اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدعا پیش کیا ، اس موقعہ پر نبی علیہ السلام نے صحابہؓ سے خطاب کیا اور فرمایا ''اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو ، اور اللہ سے عافیت مانگو'' مقاتلے و مقابلے کی تمنا سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ آدمی کو اپنے انجام کا علم نہیں ہوتا کہ وہ اپنے عزائم کے مطابق دشمن سے لڑ سکے گا یا نہیں ، اس لئے کہ اپنے حوصلوں کی تکمیل کے واسطے اسباب کا مہیا ہونا اور موانع کا ختم ہوجانا من جانب اللہ ہے ، کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں ایسا کرلوں گا اور ایسا ہوجائے گا ، انسان کے بہت سے عزائم و ارادے تو بس ارادے ہی رہ جاتے ہیں ان خوابوں کی کبھی تعبیر نہیں مل پاتی اور ان ارادوں کی کبھی تکمیل نہیں ہوتی ، مزید یہ کہ آدمی اس جذبہ کو خلوصِ نیت کے ساتھ احکامِ شریعت کی پاس داری کرتے ہوئے مکمل کرسکے گا یا نہیں ، یہ بھی یقینی بات نہیں ہے کہ کبھی اپنی طاقت پر ناز کرتے ہوئے انسان میں غرور و گھمنڈ ، تعلّی و تکبر کے جذبات بھی پیدا ہوجاتے ہیں ایسا ہوا بھی ہے کہ غزوہ خیبر میں ایک صاحب بہت جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے لیکن زخمی ہوکر لہولہان حالت میں پڑے رہے ، بالآخر زخموں کی تاب نہ لاسکے اور خودکشی کرلی ، اس لئے اس سے منع کیا گیا کہ ایسے دعوے مت کرو! ہاں اللہ سے عافیت مانگو۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اسی لئے فرمایا تھا کہ عافیت میں رہ کر شکر کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوکر اس پر صبر کروں ، اور عافیت کئی بھلائیوں پر محیط ایک جامع لفظ ہے ، اسی لئے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اللہ سے عافیت مانگو تاکہ سارے خیر حاصل ہوجائیں اور تمام شرور سے حفاظت ہوجائے۔

پھر فرمایا: ''اگر مقابلہ ہوجائے تو پھر ثابت قدمی اختیار کرو اور یقین کرو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے'' تن من دھن کی بازی لگا کر پرچمِ اسلام کو بلندی کرنے والی سربکف جماعت کے حوصلوں کو مہمیز لگاتے ہوئے

ارشاد فرمایا کہ اگر مقابلہ ہوجائے تو پھر عزم وہمت ، ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھو، میدان مت چھوڑو، ہمتِ مردانہ کے ساتھ جوہر شجاعت دکھاؤ، اس لئے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے اور جس کے حصول کا آسان اور جلد طے ہونے والا راستہ جہاد ہے جس کے بعد یا تو مومن شہادت کے ذریعہ سُرخرو ہوتا ہے یا غازی بن کر کامیاب لوٹتا ہے، اس لئے بزدلی اور پست ہمتی سے بچ کر آگے بڑھنے کی ترغیب دی، اتنی بات ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے، پھر کھڑے ہوکر آپ نے وہ معنیٰ خیز دعا فرمائی جو مذکورہ روایت کا اہم حصہ ہے۔ فرمایا: ''اے قرآن کے نازل کرنے والے، بادلوں کو ہانکنے والے اور کفار کے لشکروں کو شکست دینے والے رب! ان کو شکست دیجیئے اور ان کے مقابلہ میں ہماری نصرت و مدد کیجئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس دعا کی معنویت بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منزل الکتاب سے مراد قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِاَيْدِيْكُمْ والی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم کافروں سے قتال کرو تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں رسوا کرے گا، اور مجری السحاب سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وارادہ سے ہواؤں کو چلاتے ہیں اور ہواؤں کے تیز چلنے کے باوجود بادل کبھی حرکت ہی نہیں کرتے، اور کبھی حرکت کرتے ہیں اور بارش برستی ہے اور کبھی بادلوں کی حرکت کے باوجود بارش نہیں ہوتی، بادلوں کی حرکت سے جہاد میں مجاہدین کی نقل وحرکت اور اعانت کی جانب اشارہ ہے، رُکے ہوئے بادلوں سے کفار کے لشکروں کو اہلِ اسلام کی طرف بڑھنے سے روکنے کی جانب اشارہ ہے اور بارش ہونے سے مالِ غنیمت کے حاصل ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ اور پھر بڑے پُرعزم انداز میں فرمایا: ''ھازم الاحزاب اھزمھم'' معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے رب سے مانگ کر پُرعزم رہنا چاہیئے کہ ہر کام کو انجام دینے والی وہی یکتا ذات ہے۔ وہی اپنی قدرت سے حالات کو تبدیل کرے گی، چناں چہ مکہ کا وہ کٹھن دور بھی گذر گیا، شعبِ ابی طالب کے مشکل دن بھی گذر گئے، طائف کی ایذائیں اور گستاخیاں بھی گذر گئیں، اب یہ مشکل وقت بھی گذرے گا اور ہم دنیوی نعمت رزق اور اُخروی نعمت اسلام سے مسلمانوں کو سرفراز کریں گے اور دشمنوں کو شکست دے کر ان دونوں نعمتوں کے تحفظ کا تمہارے لئے سامان کردیں گے۔

ایسے ہی ہوا ایک دن جب کفار نے فیصلہ کُن لڑائی کا ارادہ کیا تو ان میں آپس میں اختلاف ہوا اور موسم کی سختی نے اور مسلمانوں کے رعب و دبدبہ نے ان کو مکہ بھاگنے پر مجبور کردیا، اس وقت آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اب آئندہ یہ مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے، ایسے ہی ہوا کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور اسلام کا بول بالا ہوگیا۔

آج بھی ظلم وجور کے طوفان میں اور باطل کے امنڈتے سیلاب میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیامِ رحمت نوید جانفزا سنا رہا ہے کہ چھیڑ چھاڑ کئے بغیر اگر دشمن ٹوٹ پڑتا ہے تو تم ہمتِ مردانہ سے آگے بڑھو، دنیا کی کوئی طاقت تم سے ٹکر نہیں لے سکتی، خدا کی دھرتی پر نظامِ عدل برپا کرنے کے لئے اور وقت کے فرعونوں کی گردن جھکانے کے لئے جو تدبیر تم اختیار کروگے خدا کی غیبی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی۔

آج بھی خدائی پکڑ کی آندھی چلے گی اور ظالموں کے خیمے اکھاڑ پھینکے گی، مظلوموں کے آہوں کی گرمی ایوانِ اقتدار کو جھلسا کر رکھ دے گی اور ناحق جمع کئے ہوئے مالوں کے خزانے زمین میں دھنسائے اور الٹائے جائیں گے خدائی عذاب کا کوڑا برسے گا، اور ظالم کی کمر توڑ کر رکھ دے گا، قہرِ خداوندی کے جھکڑ چلیں گے تو ظلم و طغیان میں بدمست انسانوں ں کو نیست ونابود کردیں گے، لیکن شرط یہی ہے کہ ہم ان ایمانی صفات کا کوئی جوہر، عزم وحوصلہ کی کوئی شان، تعلق مع اللہ کی وہ نسبت پیدا کریں جو قرونِ اولیٰ کے ان خداشناس بندوں میں تھی جس کی بنیاد پر وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہوگئے۔

آیئے! رب کریم کے حضور اسی دعا کو وسیلہ بنا کر مانگتے ہیں۔ اللھم یا ھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم

(بقیہ صفحہ ۴۶ سے)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''مسائل السلوک'' کی عام فہم توضیح وتشریح۔ صفحات ۷۵۰۔ (۳) فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۴) فتاویٰ رسول اکرم (عربی) (۵) یوم عظیم حوادثِ قیامت کی قرآنی تشریح۔ (۶) سیرت تابعین۔ (۷) منتخب دعائیں۔ (۸) مختصر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۹) آخری سفر: سکرات سے تدفین تک۔ (۱۰) کاروانِ حیات۔ (۱۱) مولانا احمد رضا خان: حیات وکارنامے، علماء بریلی کے اختلاف کی مستند تاریخ۔ (۱۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ حیات وکارنامے۔ یہ تمام کتابیں ربانی بک ڈپو، کٹرہ چاندلال کنواں دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ اور ان میں بہت سی کتابوں کے کئی ایڈیشن پاک وہند سے نکل چکے ہیں۔

پیش گفتار

حالاتِ حاضرہ کچھ باتیں کچھ رائیں!

از: مدیر

(۱)

۹/ڈسمبر ۲۰۱۹ءکو CAB بِل (جو بعد میں CAA کہلایا) پہلے لوک سبھا میں پھر ۱۱/ڈسمبر ۲۰۱۹ءکو راجیہ سبھا میں بھی معمولی اکثریت سے پاس ہوگیا، ۱۲/ڈسمبر ۲۰۱۹ءکو صدر جمہوریہ نے بھی اپنے دستخط ثبت کر کے قانونِ شہریت کی اس جارحانہ وجابرانہ ترمیم کو قطعیت دے دی، حالاں کہ اس پر غور کیا جاسکتا تھا کہ خود راجیہ سبھا میں سو سے زائد ممبران کی مخالفت یا واک آؤٹ اور مُلک میں لاکھوں رعایا کی ناپسندیدگی بالکل نامعقول اور بے وجہ تو نہ ہوگی؛ لیکن بہ ہر حال حکومت نے طئے کرلیا تھا کہ یہی کرنا ہے اور یہی ہو کر رہا۔

بچپن میں ایک واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بادشاہ کی صحت بہت ناساز ہوگئی تھی، نام نہاد اطبّاء اور معالجین نے مشورہ کر کے اس کا حل یہ تلاش کیا کہ کسی خوب صورت اور صحت مند نوجوان کو بادشاہ کی بھینٹ چڑھایا جائے تو وہ صحت یاب ہوجائے گا، بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ایسا کرنے کا حکم دے دیا، قاضی صاحب کے پاس مسئلہ گیا تو انھوں نے بادشاہ سلامت کی جان بچانے کے لئے رعایا کی جان لینے کو حلال قرار دے دیا، ایک ایسے نوجوان کو ڈھونڈا گیا، اس کے ماں باپ کو خطیر رقم کے ذریعہ آمادہ کرلیا گیا، یوں رعایا کا ایک عضوِ ضعیف اپنی جان دے کر بادشاہ کی جان بچانے کے لئے دربار میں لایا گیا، جب یہ دربار میں حاضر ہوا تو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر مُسکرا رہا تھا؛ بادشاہ کو اِس موقعہ پر اس کا مُسکرانا عجیب لگا، اُس نے دریافت کیا کہ وہ اس وقت کیوں ہنس رہا ہے؟ نوجوان نے عرض کیا ''بادشاہ سلامت! جب کسی آدمی پر مصیبت آتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے والدین سے مدد کا امیدوار رہتا ہے مگر میرے والدین نے مال ومتاع کے مقابلے میں میری کوئی مدد نہ کی، پھر اس کو عدالت سے امید ہوتی ہے کہ وہاں انصاف مل جائے گا مگر یہاں عدالت نے خود ہی بادشاہ کے مفاد میں میرے

خون کے جواز کا فیصلہ کر دیا ہے، آخر میں ایک اُمید گاہ بادشاہ سلامت ہوتے ہیں تو وہ اپنی صحت کی خاطر میرے قتل کا حکم صادر فرما رہے ہیں، جب میں اس دنیا کی ہر اُمید گاہ سے مایوس ہو چکا ہوں تو آسمان والے کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ بس اب ایک تیرا آسرا بچ گیا ہے، اہلِ دنیا تو خود غرضی کے نشے میں میرے قتل پر متفق ہو چکے ہیں۔

بادشاہ نے مظلوم کی اس بِپتا کو سنا تو اُس نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنی صحت کے لئے کسی کی زندگی سے نہیں کھیل سکتا، یہ خود غرضی و بے حسی مجھے گوارا نہیں ہے، یہ کہہ کر اس کو آزاد کر دیا؛ کہتے ہیں کہ اسی دن سے بادشاہ صحت مند ہونے لگا اور دیکھتے دیکھتے ہر بیماری سے سلامت بھلا چنگا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اس واقعے کا پہلا حصّہ ملک کے موجودہ حکم رانوں پر سو فی صد صادق آتا ہے، دوسرے حصّے میں اُن کا کوئی حصّہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ جو ظرف و احساس اور ایثار و حوصلہ بادشاہ نے دکھایا تھا وہ آج کے خود غرض و مفاد پرست حکم رانوں میں دیکھا تو کیا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

خیر! اس بِل کے منظور ہوتے ہی خلافِ توقُّع مُلک کے ہر طبقے ـــــ بالخصوص جامعہ ملیہ اسلامیہ کے غیّور اور سمجھ دار طلبہ ـــــ نے جم کر احتجاج کرتے ہوئے اِس بل کی منسوخی کا مطالبہ شروع کر دیا، پھر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور دیگر یونی ورسٹیز کے طلبہ بھی اس میں شامل ہوتے چلے گئے؛ اگرچہ کہ اس سے قبل ہی جمعیۃ علماء نے پورے مُلک کے طول و عرض میں کوئی دو ہزار مقامات پر خاموش اور پُر امن طریقے پر اس کے خلاف احتجاج درج کروا دیا تھا مگر وہ صرف مُسلمانوں کی طرف سے اظہارِ ناراضگی تھا، بعد میں احتجاج نے جو شکل اختیار کی وہ مذہبی شناخت اور قومی پہچان سے بالا ہو کر دستورِ مملکت کے تحفظ کی شکل اختیار کر لیا ہے، متعدد ریاستوں نے اِس بِل کو اپنی ریاستوں میں مُسترد کرنے کا اعلان کیا، تمام انسانیت پسند اور مُلک کے سیکولر دستور پر ایقان رکھنے والے افراد اور جماعتیں اس مُلک گیر احتجاج میں شامل ہوتی چلی گئیں؛ مُلک تو مُلک بیرونِ ملک بھی یہ بِل موضوعِ بحث بن گیا، اخبارات کے مطابق دیگر ممالک کے سفراء کی ایک بڑی تعداد نے اُسے ملک کے امن اور بین قومی تعلقات کے لئے مُضر قرار دیا، امریکن کانگریس نے تشویش کا اظہار کیا، تعاون اسلامی کونسل نے فکر ظاہر کی، مگر ہمارے حکم راں ٹس سے مس نہیں ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ جس طرح حق شہریت کی اس ترمیم میں سوتیلا پن بلکہ ظلم و عناد برتا گیا اور خیر خواہوں کے توجہ دلانے اور سمجھانے نیز ایوانِ بالا کی نصف تعداد کی مخالفت کے باوجود جو ضد و اصرار روا رکھا گیا وہ مُلک کی تاریخ میں تعصب و جانب داری کی نادر مثال ہے، اگرچہ حکم راں جماعت کے نظریات کی روشنی میں کچھ قابلِ تعجب نہیں ہے؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلاقِ ثلاثہ سے لے کر بابری مسجد کے فیصلے تک مسلمانوں نے

حِلم وتدبُّر سے کام لیا تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ اب اُن کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں اور اُن کے مقابل میں کوئی طاقت نہیں، لیکن جب رعایا کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور انہوں نے عوامی قوّت کا مظاہرہ پیش کیا تو اگرچہ ابتداءً حکم رانی کے میدان میں پہلی مرتبہ اُترنے والوں اور اقتدار کی راہ ورسم سے بے خبر لوگوں کو یہ معمولی بات محسوس ہوئی اور سمجھا کہ طاقت کے بَل بوتے اور پولیس کے مظالم کے ذریعہ ہر اُٹھنے والی آواز کو دبا کر خاموش کر لیں گے لیکن جب بات قابو سے نکلنے لگی تو پھر کسی قدر انداز بدلا اور جن کا نام لیتے ہوئے عار محسوس کی جاتی تھی اُن کا نام بہ بانگِ دُہل لے کر اور سفید وصریح جھوٹ بول کر اطمینان دلانے کی ناکام سعی شروع کی گئی۔

ناکام اس لئے کہ یہاں بات صرف مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور جانب داری برتنے کی نہ تھی مُلک کے مقبول ومضبوط دستور کو تبدیل کرنے کی طرف پیش قدمی کی تھی ، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ موجودہ حکومت اگرچہ دستور کے احترام کا عہد لے کر ہی بنی ہے لیکن اُن کے نزدیک دستورِ ہند تشفی بخش نہیں ہے، جب تک اس میں سے اقلیتوں کے حقوق ختم نہیں کر دیئے جائیں گے بالخصوص جب تک مسلمانوں کی شہری حقوق میں برابری کالعدم نہیں ہوجائے گی تب تک وہ راضی ہونے والے اور چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں؛ لیکن اگر اس خطرناک نظریّے کے انجام پر غور کریں گے تو پھر بات مسلمانوں کی حق تلفی پر محدود نہیں رہتی بلکہ آگے چل کر ذات پات اور رنگ ونسل کے وہ گڑھے مُردے بھی دوبارہ نکل کھڑے ہوں گے جنہیں معزّز ومُدبّر دستور سازوں نے ''آئینِ ہند'' کے ذریعہ زیرِ زمین کر دیا تھا، پھر مُلک کا جو حشر ہوگا وہ محتاجِ بیان نہیں ہے؛ اس لئے مُلک کی تمام اقوام کو چاہیئے کہ دستور کی اِن ترامیم کو صرف مُسلم کُش ہونے کی حیثیت سے نہ دیکھیں مُلک کُش ہونے کے اعتبار سے دیکھیں اور خدا کا شکر ہے کہ بہت لوگ اس پر توجّہ دے رہے ہیں اور کئی طرف سے اس خطرے کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی ہیں؛ تاہم میڈیا چوں کہ حکومت کی مکمل گرفت میں ہے ـــــ جیسا کہ اس کے طرزِ عمل سے لگ رہا ہے ـــــ اور مُلک وقوم کے مفاد میں ہونے کے بجائے اپنی تجارت وشہرت کے مفاد میں کام کر رہا ہے اس لئے انصاف پسندوں کی یہ آوازیں خال خال ہی سنائی دے رہی ہیں ، اسی طرح احتجاجیوں کے خلاف پولیس کا بالخصوص اُتر پردیش کی پولیس کا جو رویہ سوشیل میڈیا کے ذریعہ منظرِ عام پر آرہا ہے وہ بہت مایوس کُن ہے، پولیس انتظامیہ ہے اُسے بالکل غیر جانب دار رہنا چاہیئے ، بے شک احتجاجیوں کو بھی ہر تشدُّد اور جارحیت سے دور رہنا چاہیئے کوئی سمجھ دار آدمی تشدُّد و جارحیت اور جان ومال کی ہلاکتوں کی حمایت نہیں کر سکتا لیکن اس کو قابو کرنے والوں کا جانب دار ہونا یا ـــــ تصویروں کے مطابق ـــــ از خود جان ومال کی ہلاکت میں حصہ لینا قابلِ فکر ولائقِ مذمت ہے، حکومت اگر رعایا پروری کی اپنی ذمہ داری محسوس کرتی ہے تو اِسے سنجیدہ اور غیر جانب دار

اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اب جب کہ خود حکم راں جماعت کے وزیر مختار عباس نقوی صاحب نے تک تشویش ظاہر کی ہے تو ان خبروں کو پوری طرح غلط بیانی بھی نہیں سمجھا جا سکتا؛ اس لئے بہی خواہانِ ملک وقوم کو بہت سنجیدگی سے اِن مسائل پر غور کرنے اور متحدہ طور پر ملک کی حفاظت، خوش حالی وترقی کے لئے آگے آنے کی ضرورت ہے۔

(۲)

اس موقعہ پر مسلمانوں کے سیاسی، سماجی اور مذہبی قائدین سے بھی گلہ کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ایسی حساس صورتِ حال اور نازک موقع پر بھی باوجود مسئلہ کی حساسیت اور نزاکت کے اعتراف کے انہوں نے کوئی متحدہ ومتفقہ لائحہ عمل پیش نہیں کیا، یوں کُل جماعتی مشورے اور اجلاس کرتے رہے لیکن طریقۂ کار اور طرزِ عمل سے بس یہی محسوس ہوتا رہا کہ ہر جماعت کی اپنی ایک سوچ اور تحفظ ذہنی ہے، ایسا لگتا ہے کہ اپنے قائدین کے خیالات کو سمجھنا پہلیاں بوجھنے سے کم نہیں، کہتے کچھ کرتے کچھ دکھائی دیتے ہیں؛ عوام تو بے چارے محض جذباتی ہیں اور یقیناً ان کو جذبات سے کھیلنے اور تقاضۂ جوش پر چلنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی مگر اُن کے جذبات اور جوشِ عمل کو صحیح پالیسی اور متفقہ لائحہ عمل کے ذریعہ بروقت استعمال کیا جا سکتا ہے، اس موقع پر جب کہ اغیار سرکاری دہشت گردی کے مقابلے میں مذہب کے امتیاز کو بھی بیچ میں آنے نہیں دے رہے ہیں تو مسلم زعماء کے لئے کیا مشکل ہے کہ جماعتی امتیازات اور شخصی ترفُّعات کو نظر انداز کر کے ایک بات پر قوم کو جمع کر لیتے؟ جب کہ عوام بلا کسی امتیاز کے جُڑنے اور ہونے والی زیادتیوں کی مخالفت کرنے کے لئے پَر تول رہی ہے، ہمارے قائدین ایک دوسرے کے اقدامات کی مخالفت کرنے اور اُسے مُضر قرار دینے اور اپنے اپنے ٹائٹل نمایاں کرنے میں مشغول ہیں، مسلمانوں کی قیادت کا سہرا ہر ایک اپنے سر لینے اور اپنے کو یا اپنے قائد کو واحد بہی خواہِ ملّت دکھانے میں لگا ہوا ہے، ہم نے یہ کیا، ہم نے وہ کیا تو سننے میں آرہا ہے مگر قوم کو کیا کرنا چاہیئے اور اُن کو لاحق تشویش وپریشانی کا آخر حل کیا ہے اس سلسلے میں کوئی اطمینان بخش اور مشترکہ رہنمائی اب تک قوم کے سامنے نہیں آئی ہے، کوئی کہتا ہے سیول نافرمانی کریں گے، کوئی کہتا ہے کاغذات تیار کرنے کی ضرورت ہے نہ بتانے کی ضرورت ہے، کوئی کہتا ہے گھر کے ایک ایک فرد کا پاسپورٹ تیار کر کے رکھ لیں، کوئی کہتا ہے جن ریاستوں کے وزراءاعلیٰ عدمِ نفاذ کا اعلان کر رہے ہیں وہاں کوئی پریشانی کی بات نہیں، کوئی کہتا ہے مرکز جب قانون بنا کر نافذ کر دے تو کسی کو رد کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، کوئی کہہ رہا ہے کام شروع ہو چکا ہے، اب بس ایک ایک کو پکڑ کر اندر ڈالنے اور مسلمانوں کو حقوقِ شہریت سے محروم کر دینے کی تیاریاں مکمل ہیں، حکم راں بھی بڑی سخت زبان اور دھمکی آمیز

خطابات کر رہے ہیں، سوشیل میڈیا پر تومن مانی ہے، کوئی قوم کو خوف زدہ کر رہا ہے، کوئی پیٹھ تھپتھپانے اور تسلی دینے میں مشغول ہے، بعض تو بنا کسی یقینی معلومات اور عملی تجربات کے رائے مشوروں کے انبار لگاتے جا رہے ہیں، یعنی اس وقت مسلم قوم سرکار کی طرف سے تو حیرت اور تشویش میں مبتلا ہے ہی، اپنے قائدین کے متضاد بیانات اور مبہم خیالات کو لے کر اور زیادہ حیران ہوگئی ہے، مگر چوٹی کے قائدین اجتماعی طور پر قوم کو مطمئن یا فکرمند کرنے میں ناکام ہیں، قوم یا تومَن مانی اقدامات کر رہی ہے، یا بڑوں کی راہنمائی کے لئے سراپا انتظار بنی ہوئی ہے۔

مزید براں سوشیل میڈیا کے خودرَو پودوں اور برسات کے کیڑوں نے علاحدہ ناک میں دم کر رکھا ہے، جن کو ہر ذہن میں آنے والی بات یا اُن تک پہونچنے والی بات آگے بڑھا دینے اور گھر بیٹھ کر بڑے بڑے علماء وقائدین پر رکیک اور جارحانہ تبصرے کرتے رہنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے؛ یہاں پہونچ کر خود اپنے ممدوح ومطاع قائدین سے بھی بہت کچھ کہنے اور ان کے آگے دل نکال کے رکھنے جی چاہتا ہے، مگر ۔

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

کے مصداق چُپ رہنے ہی میں عافیت نظر آتی ہے، اپنے مخصوص لوگوں کے علاوہ سب کو سمع وطاعت اور امساک کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور مخصوص بننے کے جو ذرائع ہیں ان سے ہم جیسے لوگ محروم اور تہی دامن ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

(۳)

اس سلسلے میں عوام کے ہم درد و باشعور طبقے سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی بے حسی اور دوسروں پر اعتماد چھوڑ کر کچھ عملی اقدامات بھی کریں، سیاسی اور مذہبی قائدین این آرسی اور این پی آر کے بوجھ سے عوام کو بچانے کے لئے سیاسی سطح پر بھی اور قانونی اعتبار سے بھی متعدد اقدامات کر رہے ہیں، جن کے نتائج موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مخالف بھی، اگر حکومت پیچھے ہٹتی ہے—— جس کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے—— یا اگر سپریم کورٹ اسے دستور کے مغائر قرار دے دیتا ہے—— جس کے بارے میں ابھی کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا—— تب تو آپ کا یہ بوجھ ہلکا ہوگا اور اگر خدانخواستہ صورتِ حال اس کے برخلاف سامنے آتی ہے تو عین وقت پریشان ہونے کے بجائے ابھی سے کچھ تیاری بھی شروع کر دینی چاہیئے، قائدین حضرات اپنا کام کر رہے ہیں، ہم اپنا کام کرتے رہیں۔

● اس کے لئے ہر محلہ، بستی، یا مسجد کے اعتبار سے حلقے بنائے جائیں، اُن حلقوں کے کالج اسٹوڈنٹ، ٹیچرز، اور لکچررز اور پڑھے لکھے ہوئے نوجوانوں کو جمع کر کے پہلے اُنہیں کسی جاننے والے کے ذریعہ این پی آر

اور این آر سی کی تکمیل کے لئے درکار یا مطلوب دستاویز کو اچھی طرح سمجھایا جائے ،بعض بہی خواہوں نے اُن کی آسان ترتیب بھی بنادی ہے، پھر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کم زور بندوں کی خدمت کی اہمیت اور اس کے فضائل بتلا کر اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے کاغذات کی تیاری وتصحیح کے ساتھ کم ازکم پانچ ناخواندہ اورغریب افراد کے بھی کاغذات تیار کر کے دیں، (جس قدر بھی ممکن ہو)۔اس سے دوفائدے حاصل ہوں گے: (۱) خواہ ان کی ضرورت پڑے نہ پڑے ایک ضروری کام ہوجائے گا۔(۲) کم زور اور بے بسی محسوس کرنے والا طبقہ مایوسی اور احساس بے چارگی سے محفوظ ہوجائے گا، ان کے اندر ہمت وحوصلہ پیدا ہوگا؟ بے کار رہنے اورفضول تبصرے کرنے سے ان کاموں میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے۔؟

● قانونی چارہ جوئی اور جمہوری اظہارِ ناراضگی کے لئے جو اقدامات قائدینِ قوم کر رہے ہیں اگر وہ تشدُّد وجارحیت سے پاک ہوں تو اس میں ممکن تعاون کریں ؛ اور اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو نہ کسی پر ظلم کرنے دیں نہ کسی کو اپنے اوپر ظلم کرنے کا موقعہ دیں، یعنی پُرامن اور مسلسل احتجاج جاری رکھیں، مگر خیال رہے کہ دیگر مظلوموں کو بھی ساتھ رکھیں، اسے صرف مسلمانوں کا مسئلہ بنالینے سے کامیابی مشکل ہے۔

● اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے طرزِعمل کو بدلیں ، بغاوت ونافرمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد کی توقع رکھنا بھی ایک طرح کی جرأت وگستاخی ہے، کسی درجے میں تو اپنے اندر تبدیلی لائیں، عبادات کے اعتبار سے بھی اور معاملات ومعاشرت کے لحاظ سے بھی، حالات کو بدلنے کی یہ بھی سب سے اہم اور سب سے مؤثر تدبیر ہے، اس لئے گناہوں سے اجتناب، نیکیوں کا اہتمام اور صدقہ ودعا کا التزام رکھیں، اس سے انشاء اللہ حالات میں خوش گوار اور مفید وموافق تبدیلی آئے گی، اور جلد آئے گی۔

اللہ پاک ہم سب کو دین اور دنیا کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔آمین والسلام علی النبی الکریم

(بقیہ دستورِ ہند ایک معروضی مطالعہ، از صفحہ ۳۶)

کوسامنے رکھا جائے تو یہ ایک اچھا موقع ہے کہ ہم آج کے دن (۲۶؍جنوری) آئین ہند کا بہ طور خاص مطالعہ کریں ،اس حوالے سے ناخواندہ لوگوں میں شعور بیدار کریں، ملی تنظیمیں اس سلسلہ میں ورک شاپس کا انعقاد عمل میں لائیں تب کہیں جا کر ہم مضبوط بنیادوں پر آگے بڑھ سکتے ہیں اور بلاخوف ملک میں ہورہی تاناشاہی کا جواب دے سکتے ہیں۔

گوشۂ سیرت

وہ شخص جھوٹا تھا لیکن بات سچی کہہ گیا

از: مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی*

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آج ایک عجیب وغریب اور دلچسپ واقعہ پیش آیا، اس کی تفصیلات ان ہی کی زبانی سنیے، وہ کہتے ہیں:

مجھے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقۂ فطر کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا، اس دوران ایک شخص آیا اور اس میں سے اپنا لب بھرا اور چوری کر کے لے جانے لگا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: تمھیں اللہ کے رسول کے پاس لے جاؤں گا، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دیجیے، میں بال بچوں والا محتاج شخص ہوں، میں نے مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا ہے، اس کی اس بات پر رحم کھا کر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

دوسرے دن وہ پھر آیا اور وہی حرکت کرنے لگا اور وہی عذر پھر پیش کرنے لگا، بالآخر اس کی اس معذرت پر میں نے پھر اس کو چھوڑ دیا، لیکن جب تیسرے دن آ کر پھر یہی حرکت کرنے لگا اور معذرت بھی کرنے لگا تو میں نے کہا: اس مرتبہ تو تم کو اللہ کے رسول کے پاس ضرور لے جاؤں گا، اس پر اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں تم کو فائدہ کا ایک عمل بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ تم جب سونے کے لیے اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھو، اس کا اثر یہ ہوگا کہ صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے قریب ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہوگا اور شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

جب رات کا یہ قصہ میں نے دوسرے دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص تو جھوٹا تھا لیکن بات سچی کہہ گیا، وہ دراصل شیطان تھا۔ (صحیح البخاری کتاب الوکالۃ ۲۳۱۱، فضائل القرآن ۳۲۷۵)

(مجالس نبوی ص:۸۱)

* استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت امامۃ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا

نام ونسب: آپ رضی اللہ عنہا کا نام امامہ تھا، والد کا نام ابوالعاص رضی اللہ بن ربیع اور والدہ کا نام حضرت زینب بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی نواسی تھیں۔

(اسد الغابۃ: امامۃ بنت ابی العاص: ۲۰/۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

پیدائش اور لڑکپن

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا دور رسالت میں پیدا ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ ان کو اٹھا لیتے، ان کو گدگداتے اور ہر وقت ان کی غنغناہٹ پر کان لگاتے، جس چیز کو وہ پسند کرتیں یا جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے پسند فرماتے ان کے لئے مہیا فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے جو بے انتہا محبت تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے امامہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھے پر اٹھا لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع یا سجدے میں جاتے تو انہیں نیچے اُتار دیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے تو انہیں دوبارہ اٹھا لیتے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز مکمل فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نواسی سے اس قدر محبت تھی کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے، آپ کے ہاتھ میں خرمہروں کا ایک ہار تھا، فرمایا: میں یہ ہار اسے دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے ''لأدفعنها إلى أحب أهلي إليّ''، عورتیں بولیں، آپ یہ ہار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو دیں گے، آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اپنی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر اپنے ہاتھ سے ان کو یہ ہار باندھا، ان کے آنکھ میں میل تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

اسے اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔(الإصابة في تمييز الصحابة: امامة بنت ابي العاص،۸/ ۲۵،دار الكتب العلمية، بيروت)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ میں زیورات بھیجے، جن میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی، آپ نے اس سے منہ پھیر کر اسے لے لیا اور اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دی اور فرمایا: پیاری بچی تو اسے پہن لے۔"تحلى بهذا يا بنية"

(الطبقات الكبرى لابن سعد: امامة بنت ابي العاص:۸/ ۳۱،دار الكتب العلمية، بيروت)

جوانی اور نکاح

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سن شعور کو پہنچ چکی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا، اس لئے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بعد حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح کی وصیت فرمائی تھی، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جن کی کفالت میں حضرت امامہ رضی اللہ عنہا بوصیت حضرت ابو العاص تھی، ان کی سرپرستی میں نکاح کی تقریب انجام پائی۔

سن ۴۰ ہجری میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ملجم کے ہاتھوں شدید زخمی ہوئے اور جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو آپ نے مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرے بعد امامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لینا۔

چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام نکاح بھیجا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر عدت ختم ہونے کے بعد نکاح فرمالیا۔(اسد الغابة، امامة بنت ابي العاص،۶/ ۲۲،دار الكتب العلمية، بيروت)

وفات

حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام یحییٰ تھا، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے حین حیات ہی ان کے گھر میں وفات پائیں۔

اصلاحی مضامین

چار اہم سوال؟

مولانا سید احمد ومیض ندوی*

گذشتہ دنوں احقر جنوبی ہند کی ایک مؤقر جامعہ سے شائع ہونے والے مجلہ کے خصوصی شمارے پر طائرانہ نظر ڈال رہا تھا کہ ایک مختصر سے ڈبے میں دئے گئے مذکورہ بالا عنوان ''چار اہم سوال'' پر نگاہ ٹھہری، عنوان کے تحت دیا گیا اقتباس کچھ یوں تھا ''۱۹۹۵ء کی بات ہے قاہرہ میں ایک مجلس میں فیصل ایوارڈ یافتہ حضرات کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا ان میں بوسینا کے صدر علی عزت بیگوچ بھی تھے انہوں نے اپنے مقالے کے اخیر میں کہا کہ میرے ذہن میں چار سوال ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو ان کا تسلی بخش جواب دے اسے خدمتِ اسلام کا فیصل ایوارڈ ملے۔

(۱) پہلا سوال یہ کہ امت مسلمہ جسے اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں ''اقرأ'' (پڑھ) کا درس دیا ہے اس وحی کو نازل ہوئے آج تقریبا چودہ سو سال ہو رہے ہیں اس کے باوجود اس امت کی اکثریت ناخواندگی کا شکار کیوں ہے؟؟ (۲) دوسرا سوال یہ کہ اسلام میں وقت کی پابندی پر زور دیا گیا ہے، مثلا: نماز کا وقت مقرر ہے روزے کا مہینہ مقرر ہے، زکوٰۃ کا وقت مقرر ہے، حج کی تاریخ مقرر ہے، لیکن دنیا میں سب سے زیادہ وقت کا ضیاع مسلمان کیوں کرتے ہیں؟ وقت کی پابندی کے تئیں ان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ چند سال پہلے ''رباط'' میں تنظیم اسلامی (OIC) کی ایک چوٹی کانفرنس ہوئی جس میں مسلم ممالک کے بادشاہ صدور وغیرہ شریک تھے، یہ کانفرنس ۹ر گھنٹے تاخیر سے شروع ہوئی۔

(۳) تیسرا سوال یہ کہ اسلام نے طہارت ونظافت کو نصف ایمان قرار دیا ہے، اس کی ہر عبادت طہارت اور صفائی ستھرائی سے وابستہ ہے، مگر کیا بات ہے کہ مجموعی طور پر مسلمان صفائی ستھرائی کے معاملے میں سب سے پیچھے ہیں؟؟

(۴) آخری سوال یہ کہ اسلام میں توحید کے بعد اتحاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے، مگر کیا وجہ ہے کہ امت مسلمہ سب سے زیادہ اختلاف وانتشار کا شکار ہے؟؟ (راہ اعتدال ستمبر ۲۰۰۷ء)

* استاذ حدیث دار العلوم حیدر آباد

علی عزت بیگوچ ایک صاحب بصیرت دانشور ایک عظیم مسلم قائد گذرے ہیں، عالمی حالات سے گہری واقفیت کے ساتھ قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے، اُنہیں ان کی اسلامی خدمات پر شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا تھا، بوسینا کے سابق صدر علی عزت بیگوچ نے جن چار سوالوں کو اٹھایا ہے وہ فی الواقع اہمیت کے حامل ہیں، انہوں نے اپنے ان سوالات میں مسلمانوں کے تعلق سے جن چار مسائل کا تذکرہ کیا ہے ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا، تعلیمی پسماندگی ہی کو لیجئے آج ہر جگہ مسلمانوں کی پہچان بن گئی ہے، غیر مسلم معاشروں میں مسلمان ایک ناخواندہ ان پڑھ قوم کی حیثیت سے متعارف ہیں، جب کہ مسلمانوں کو سب سے پہلا جو سبق دیا گیا وہ پڑھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے، مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی واحد مذہب ہے جو پڑھنے اور حصول علم کو عبادت کا درجہ دیتا ہے، قرآن وحدیث میں اگر چہ علم کا حقیقی مصداق معرفتِ الٰہی تک پہونچانے والا علم ہے لیکن علم نافع اور تسخیر کائنات والے علم کے تعلق سے بھی بار بار ترغیب دی گئی ہے، سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء عطا فرمایا پھر انہیں خلافتِ ارضی کا اہل قرار دیا گیا، نیز علم کے ذریعہ فرشتوں پر فوقیت عطا کر کے انہیں مسجود ملائکہ بنایا گیا، پہلی وحی میں قراءت، علم، تعلیم اور قلم جیسے الفاظ کو لا کر علم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا، غزوہ بدر کے موقع پر کافر قیدیوں کی رہائی کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ ان میں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس امت کو علم واخلاق کی بنیادوں پر کھڑا کیا تھا آج وہ امت تعلیم سے کوسوں دور ہے ملکی سطح پر مسلمان تعلیم میں پسماندہ ہیں اور عالمی سطح پر بھی، ابھی گذشتہ دنوں سول سروسیز امتحانات کے نتائج کا اعلان کیا گیا، ملک بھر میں جملہ ۱۱۲۲ کامیاب امیدواروں میں صرف ۳۴ مسلمان کامیاب ہو سکے، ٹاپ ۱۰۰ میں صرف ۴ مسلمانوں نے جگہ پائی، پچھلے ۵ سالوں کے نتائج کا جائزہ لیا جائے تو مسلم امیدواروں کی کامیابی کا فیصد دو سے چار کے درمیان میں رہا، یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ان امتحانات میں کامیاب ہونے والے امیدوار ہی ملک کے کلیدی عہدوں پر فائز ہوتے ہیں، عملاً ملک کا نظام وہی چلاتے ہیں، سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق صرف ۳۰ فیصد مسلم بچے ہی اسکولی تعلیم سے وابستہ ہیں، بقیہ ۷۰ فیصد کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسکول کس چڑیا کا نام ہے، پھر جو بچے اسکول جاتے ہیں ان میں ایک بڑی تعداد درمیان میں ترک تعلیم کر دیتی ہے۔

گذشتہ دنوں دہلی کے مرکز برائے مطالعہ امن (CPS) نے ایک رپورٹ منظر عام پر لائی، اس سروے میں ملک کی ۱۵ ریاستوں کا احاطہ کیا گیا اور ۸ ہزار سے زیادہ لوگوں سے سوالات کئے گئے، رپورٹ میں ۲۵۰۰ مسلم بچوں کا جائزہ لیا گیا جنہیں کبھی اسکول جانا نصیب نہیں ہوا اس پر طرہ یہ کہ ۱۷۰۰ بچے ایسے ہیں جنہیں

اسکول میں داخل کروایا گیا تھا لیکن پہلے ہی سال اسکول سے نکل گئے۔ رپورٹ کے مطابق بہار میں جن بچوں کو اسکول میں شریک کروایا جاتا ہے ان میں سے صرف چار فیصد بچے ہی یونیفارم کے متحمل ہوسکتے ہیں، ۷ فیصد بچے ہی کتابیں خرید سکتے ہیں، ۵۶ فیصد بچوں کو کھانا میسر آتا ہے، گجرات میں حالت مزید ابتر ہے جہاں ۳ مسلم بچوں میں سے صرف ایک کے پاس اسکول یونیفارم ہوتا ہے اور ایک تہائی بچوں کو دوپہر کا کھانا نہیں ملتا، گورنمنٹ اردو پرائمری اسکولوں کی حالت زار تو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

شہر بنگلور میں تعلیمی شعبہ سے تعلق رکھنے والے ایک بڑے عہدیدار نے اپنے ساتھ پیش آئے واقعہ کو لکھا ہے: ’’ایک صبح کو نو بجے میں اپنے دفتر کے لئے محلے کے ایک گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول کے پاس سے گذر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ بچے خوشی کے مارے ناچتے تالیاں بجاتے چیخ وپکار کرتے ہوئے اسکول سے نکل رہے ہیں اس منظر کو دیکھ کر میں ٹھٹک گیا، وجہ پوچھی تو بچوں نے کہا آج ہمارے حضرت کے رشتہ دار کی شادی ہے اس لئے اسکول کی چھٹی ہے۔ وہ اپنا ایک اور مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں’’ دوپہر کے کوئی ڈھائی بجے ہماری ٹیم شہر کے ایک اور اسکول پہونچی وہاں دیکھا کہ بچوں کے شوروغل کی وجہ سے کان میں آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، آگے بڑھنے پر لگا کہ جیسے بند کمرے کے اندر بچے آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں، جونہی کسی نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس شوروغل میں استانی صاحبہ بینچ پر خراٹے مارتے ہوئے سورہی تھیں اور بچے تاش کھیلنے میں مصروف ایک دوسرے پر جھپٹے جا رہے تھے، ہم پر نظر پڑتے ہی لائق شاگردوں نے استانی صاحبہ کو جگایا تو محترمہ بڑبڑا کر اٹھیں، نیند میں ڈوبی آنکھوں کو مسلسل مسلتے مسلتے ایک عجیب سی کیفیت میں بولیں، دراصل سر میں درد ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا لیٹ گئی تھی، تعلیم کے تعلق سے بڑھتی بے اعتنائی امت مسلمہ کے لئے فالِ نیک نہیں، اس کے لئے ملت کے باشعور طبقہ کو پوری قوت کے ساتھ تعلیمی بیداری کی مہم چلانی ضروری ہے۔ یہ تو ملکی سطح پر مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا جائزہ تھا عالمی سطح پر بھی مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، ابھی گذشتہ دنوں دنیا کی ۱۰۰ شہرت یافتہ یونیورسٹیوں کی عالمی درجہ بندی کی رپورٹ منظر عام پر آئی اس سال کی گئی درجہ بندی میں دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں ۸ امریکی یونیورسٹیوں نے ٹاپ ۱۰ میں جگہ حاصل کی، ہارورڈ یونیورسٹی دنیا کی سو شہرت یافتہ جامعات میں سرِ فہرست ہے ان سو یونیورسٹیوں میں مسلم ممالک کی کوئی ایک یونیورسٹی بھی شامل نہیں ہے، بیشتر مسلم ممالک میں تعلیمی شرح قابل اطمینان نہیں ہے اس کے برخلاف ہمارے دشمن یہودی تعلیم اور سائنس وٹیکنالوجی میں ہم سے آگے ہیں، ۱۰۵ سالوں میں یہودیوں نے ۱۸۰ نوبل انعام حاصل کیا ہے جب کہ مسلمان صرف ۱۳ انعام حاصل کر سکے۔ حالانکہ آبادی کے لحاظ سے ایک یہودی

سو مسلمانوں کے مقابل ہے، کچھ عرصہ قبل امریکی یہودیوں نے ایک ملین ڈالر چندہ اکٹھا کر کے اپنے روحانی پیشوا کے پاس اسرائیل بھیجا، جنہیں چیف ربی کہا جاتا ہے اور کہا گیا کہ اس رقم سے ایک عالی شان عبادت گھر تعمیر کیا جائے، چیف ربی نے کہا ہم کون ہوتے ہیں اس حقیر رقم سے اس عظیم پروردگار کے لئے محل تعمیر کرنے والے، اس کی عبادت تو کہیں بھی کی جا سکتی ہے، لیکن اسے پہنچاننے کے لئے علم کی ضرورت ہے اس لئے اس رقم سے پہلے ایک تعلیمی اکیڈمی قائم کرو تا کہ کوئی بھی یہودی بے علم نہ رہ سکے۔

دوسرے سوال میں اٹھایا گیا مسئلہ بھی اس وقت مسلمانوں کا طرہ امتیاز بن گیا ہے جبکہ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے جن سنہرے ادوار میں جو کچھ کامیابی حاصل کی تھی وہ وقت کی قدردانی ہی سے حاصل کی تھی، عہد عباسی میں مسلمانوں نے جو سائنسی ترقی کی تھی وہ وقت کے صحیح استعمال کا نتیجہ تھا، پھر بعد کے زمانوں میں قوم مسلم کا زوال وقت کی ناقدری ہی کے سبب ہوا، موجودہ دور میں مسلم نوجوان وقت کا کس بے دردی کے ساتھ قتل کرتے ہیں اس کا اندازہ کرنا ہو تو مسلم محلوں کا دورہ کیجئے، ہر جگہ چبوتروں پر مسلم نوجوانوں کی بھیڑ نظر آئے گی جو گپ شب میں گھنٹوں ضائع کر دیتی ہے، شادی خانوں اور دعوتی پروگراموں میں کھانے کے انتظار میں گھنٹوں گذر جاتے ہیں، رقعوں میں بعد نماز عشاء تحریر ہوتا ہے جبکہ دولہا پہونچنے تک بسا اوقات گیارہ بارہ بج جاتے ہیں، ہمارے مذہبی جلسوں کا حال بھی کچھ کم ابتر نہیں، اکثر جلسے وقت پر شروع نہیں ہوتے، جلسوں کے منتظمین وقت پر شروع کرنا بھی چاہیں تو سامعین کی تاخیر سے حاضری رکاوٹ بنتی ہے، یہ اس قوم کا حال ہے جس کے مذہب میں سب سے زیادہ وقت کی قدردانی پر زور دیا گیا ہے، قرآن مجید میں زمانہ کی قسم کھا کر وقت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا، اس سے ہٹ کر کہیں فجر کے وقت کی قسم کھائی گئی تو کہیں چاشت کے وقت کی کہیں رات و دن کی قسم کھائی گئی، قیامت کے دن ہر انسان سے جو پانچ سوال کئے جائیں گے ان میں سب سے پہلا سوال عمر کے بارے میں ہوگا کہ اسے کن کاموں میں صرف کیا، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت کی قددانی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، موت سے پہلے زندگی کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، فقر سے پہلے بے نیازی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، اور مشغولیت سے پہلے فراغت کو۔ نیز آپ نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ دھوکہ میں رہتے ہیں، ایک صحت اور دوسرے فراغت، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے جس نے اپنی عمر کا کوئی دن اس کا حق ادا کئے بغیر گذارا یا کوئی فرض ادا نہیں کیا یا عزت کا کوئی کام نہیں کیا یا قابل تعریف کوئی عمل نہیں کیا یا کسی چیز کی بنیاد نہیں ڈالا یا کوئی علم حاصل نہیں کیا تو اس نے اس دن کا حق ادا نہیں کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا، علامہ ابن قیم کا قول ہے کہ وقت کا ضیاع موت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ

وقت کا ضیاع تم کو اللہ اور اخروی زندگی سے دور کرتا ہے اور موت تم کو دنیا اور دنیا والوں سے دو کرتی ہے، بقول علامہ یوسف القرضاوی کے جو اپنا وقت برباد کرتا ہے وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے یہ سلو پوائزن خود کشی ہے جس کا ارتکاب وہ لوگوں کے سامنے کرتا ہے لیکن اس کو کوئی سزا نہیں دیتا، جو لوگ وقت کی ناقدری کرتے ہیں وہ دراصل اپنے اونچے نصب العین سے غافل ہیں، امت مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ نے جس مقصد کے لئے برپا کیا ہے، اس کا ادراک ہوجائے تو اسے موجودہ زندگی بہت ناکافی معلوم ہونے لگے، ہماری ذمہ داریاں ہمیں حاصل زندگی سے زیادہ ہیں، مختصر زندگی میں ہمیں اپنی عظیم ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے، تاریخ اسلام کے سارے مصلحین اور عبقری شخصیتوں نے ایک لمحہ کے ضیاع کو گوارا نہیں کیا، اس کے لئے عوام میں بیداری شعور کی مہم چلائی جائے ہم اپنی تقریبات اور پروگراموں میں وقت کی پابندی کا ضروری خیال کریں، اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے وقت کی قدردانی کی تعلیم دیں، ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کریں اور اسی وقت میں اسے انجام دیں، صبح بیدار ہونے سے لیکر رات سونے تک ہمارے اوقات منضبط ہونے چاہئے، آج کے کام کو کل پر ٹالنا چھوڑ دیں، ملازمت کے اوقات کا بھرپور خیال رکھیں، رات عشاء کے بعد کوئی خاص دینی یا دنیوی مصروفیت نہ ہو تو جلد سونے کا اہتمام کریں، گھروں سے ٹی وی کلچر کا خاتمہ کریں، ٹی وی ہماری بربادی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے، رات ۱۲ ایک بجے تک ٹی وی بینی میں ہم اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، رات کے وقت کا ضیاع ہماری صبح بیداری میں رکاوٹ بنتا ہے، جس کی وجہ سے فجر کی نماز ضائع ہوجاتی ہے، ہم اپنی آفسوں اور ملازمت گاہوں میں وقت کی پابندی کو شعار بنائیں، اوقات کی قدردانی کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی رفاہی خدمات اور سوشیل ورک میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے تاکہ اس کا کوئی وقت فارغ نہ رہے۔

تیسرا سوال نظافت اور صفائی سے متعلق ہے، یہ بات فی الواقع حیرت انگیز ہے کہ سب سے زیادہ نظافت پر زور دینے والا مذہب اسلام ہے، اور نظافت سے سب سے دور قوم، قوم مسلم ہے، ایک نماز ہی کو لیجئے اس کی درستگی کے لئے بدن کا پاک ہونا ضروری ہے، کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے، پھر جس جگہ نماز ادا کی جائے اس کا پاک ہونا ضروری ہے، وضو کے بغیر نماز ممکن نہیں، ایک مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ اعضائے وضو کو دھونا پڑتا ہے، اتنا ہی نہیں راستہ کو صاف رکھنا ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا، ارشاد نبوی ہے: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، اعلیٰ شاخ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور ادنی شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔ (الجامع الصغیر: ۲۸۰۰) قرآن میں کپڑوں کی صفائی سے متعلق فرمایا گیا: **وثیابك فطهر** اور اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھو، اتنا ہی نہیں گھروں کے صحنوں سے متعلق حکم دیا گیا کہ انہیں صاف رکھا جائے، **الطهور شطر الایمان** کہہ کر طہارت کو نصف ایمان

قرار دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد ناگوار گذرا، آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس گندگی کو صاف کیا اور اس کی جگہ خوشبو لگا دی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۹) اسلام میں نظافت کی اس قدر اہمیت کے باوجود ہم اس تعلق سے انتہائی کوتاہ واقع ہوئے ہیں، شہروں میں مسلم بستیوں اور محلوں میں جائیے صاف محسوس ہوگا کہ یہ مسلمانوں کا علاقہ ہے، جگہ جگہ کوڑا کرکٹ کا انبار لگا رہے گا، گھروں میں صفائی نام کی چیز نہ ہوگی، عیدالاضحیٰ کے موقع پر سڑکوں اور گلیوں کو جانوروں کی غلاظت سے ایسے آلودہ کیا جاتا ہے کہ ہفتوں تک اس کے اثرات سے چھٹکارا ممکن نہیں، گندگی اور نظافت سے دوری ہماری پہچان بن گئی ہے۔

ایک عالم دین نے لکھا ہے کہ چند احباب ایک دینی ادارے کی زیارت کے ارادے سے ایک شہر گئے انہیں اس ادارے کا پتہ معلوم نہیں تھا، پتہ کی تلاش میں وہ جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہ صاف ستھری تھی کسی سے انہوں نے پوچھا تو جواب ملا: آپ دائیں جائیے اور سیدھ میں چلے جائیے، جہاں سے گندگیاں نظر آئیں سمجھئے کہ مسلمانوں کا علاقہ شروع ہوا، اس سے گذرتے جائیے جس جگہ گندگیوں اور کوڑا کرکٹ کا انبار نظر آئے رک جائیے وہیں آپ کو اس ادارے کا سائن بورڈ نظر آئے گا، احباب نے ویسا ہی پایا، اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے ہمیں عام مسلمانوں میں نظافت کے تعلق سے باقاعدہ بیداری مہم چلانی ہوگی۔

چوتھا اور آخری سوال مسلمانوں کے آپسی انتشار سے متعلق ہے، ہماری ہر عبادت ہمیں اجتماعیت کا درس دیتی ہے، ہمارا دین ہمیں قدم قدم پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رہنے کی تلقین کرتا ہے، نزاع اور تفرقہ سے بچنے کی تاکید قرآن میں بار بار آئی ہے، ہمارا انتشار پوری دنیا میں ضرب المثل بن چکا ہے، موجودہ حالات ہی کا جائزہ لیجئے مسلمانوں کے انتشار کا اندازہ ہو جائے گا، مسلم ممالک اپنے انتشار کے سبب اس وقت تباہی کے دہانے پر پہونچ چکے ہیں، غزہ پر اسرائیل ایک ماہ بمباری کرتا رہا، اس کے اطراف دسیوں عرب ممالک ہیں کسی میں جرأت نہیں کہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آگے بڑھیں، مدد تو درکنار بعض مسلم ممالک حماس کا صفایا کرنے کے لئے اسرائیل کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں، مکہ مدینہ کی دہائی دینے والوں کے گھناؤنے کردار کو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی، خود کو اسرائیل کی سب سے بڑی دشمن کہنے والی حزب اللہ جس نے شام میں ہزاروں نہتے سُنّیوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا، آج جب حماس اسے اسرائیل کے خلاف مدد کی دعوت دیتا ہے تو اس پر خاموشی طاری ہے، عراق میں آپسی انتشار اسے ملبہ میں تبدیل کر رہا ہے، ہر روز سیکڑوں مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھ ہلاک ہو رہے ہیں، پڑوسی ملک میں خود اپنے ہی انتشار برپا کر کے حکومت کو بے دخل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

اصلاحی مضامین

حق تعالیٰ سے مایوس نہ ہوں!

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہٗ

اس ملک میں آہستہ آہستہ جن سنگھی اور بی۔ جے۔ پی کی ذہنیت عام ہوتی گئی، اور اب جبکہ مرکز میں بھی اور صوبوں میں بھی اس کی حکومت قائم ہوگئی ہے، تو ایک خاص رفتار کے ساتھ مرحلہ وار، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے والی چیزیں لائی جارہی ہیں۔ مجھے اس وقت جو کچھ عرض کرنا ہے، اپنے بھائیوں کے متعلق عرض کرنا ہے، جو اسلام کے نام لیوا ہیں، اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ہادی اور پیشوا مانتے ہیں، اسی کی پاداش میں دوسروں کی نگاہوں میں کانٹا بنے ہوئے ہیں، ان ہنگاموں اور فسادات اور ناموافق حالات میں جب عام مسلمانوں کے احوال کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو کئی چیزیں ایسی سامنے آتی ہیں جو ایک مسلمان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنی ہے۔

جب کہیں فساد ہوتا ہے یا کوئی مصیبت آتی ہے، تو عام طور پر مسلمانوں میں ایک طرح کی مایوسی اور بزدلی کا احساس پایا جانے لگتا ہے۔ اخبار اور ریڈیو افواہیں پھیلاتے ہیں، عوام کی زبانیں اس میں اضافہ کرتی ہیں، اور پھر ایسی بھیانک صورت حال لوگوں کے پیش نظر ہوجاتی ہے کہ خود بخود ہراس بڑھ جاتا ہے، مایوسی کا سایا گھنا ہوجاتا ہے اور مسلمان بے بس محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے اس کا سہارا کوئی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے عموماً بزدلی بڑھ جاتی ہے، کہیں آنے جانے میں اس طرح خوف محسوس ہونے لگتا ہے جیسے موت تعاقب میں ہے، اِکا دُکا ایسے واقعات بھی سننے میں آجاتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ہجوم میں یا محض کسی وہم میں مبتلا ہوکر مسلمان اپنے کو غیر مسلم ظاہر کرنے لگتا ہے۔ شکل وصورت تو مسلمانوں کی بکثرت ہندوؤں جیسی دکھائی دیتی ہی ہے، بعض کمزور افراد ہاتھ میں دھاگا باندھ کر خود کو چھپاتے ہیں۔ کوئی نام بدل دیتا ہے، اس طرح کی مثالیں بکثرت تو نہیں، لیکن سننے میں آتی ہی رہتی ہیں۔

یہ سخت بزدلی اور نامردی ہے، مسلمانوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کے والی و ولی اللہ تعالیٰ ہیں، مسلمان اگر اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھے، ان کے نبی کی پیروی دل سے کرے تو کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ ہر آن اسے اس کا دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، تمام طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کی معیّت کے بعد کسی بھی مخلوق کا کچھ ڈر نہیں، مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے غزوہ احد میں مسلمانوں کو ایک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، کیفیت مایوسی ہی کی تھی، کفار کا سالارِ لشکر نعرہ پر نعرہ لگا رہا تھا کہ لَنا العُزیٰ و لا عُزیٰ لکم (ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں) عزیٰ کفار کا ایک بت تھا، شاید عزت وغلبہ کا بت رہا ہو، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ کہو:

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا والی وکارساز ہے اور تمہارا کوئی والی وکارساز نہیں)

اللہ تعالیٰ مشکل سے مشکل حالات میں مدد فرماتے ہیں، مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں وعدہ نہیں کیا ہے کہ تم پر کوئی مشکل نہیں پڑے گی، مگر صبر وتقویٰ کے بعد نصرت وفتح کا وعدہ ہے۔ اور یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ ورسول کے نام پر کسی کو دکھ پہونچایا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے نہ جانے کتنے عروج سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لئے خوف وہراس کو برطرف کرکے مردانہ وار صبر واستقلال سے، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرکے دل کو مضبوط رکھنا چاہئے، کسی بے گناہ پر ظلم نہ کرے، افواہیں نہ پھیلائے، بے صبری کا کوئی کام نہ کرے، آپس کے انتشار وافتراق کو ختم کرے۔ پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح بڑھ بڑھ کر آتی ہے، ایسا تو نہ بن جائے جیسے اس کا خدا کوئی ہے ہی نہیں۔ مرحوم آغا حشر کاشمیری نے کہا تھا۔

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

لیکن اب تو مصیبت کے حالات میں مسلمان اپنے آپ کو خود ایسا سمجھنے لگتا ہے، جیسے اس کا خدا کوئی نہیں، یہ صرف مایوسی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ بدگمانی بھی ہے، جو سخت بے ادبی ہے اور خدا کی جناب میں انجام کے لحاظ سے گستاخی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائیں، ہمارے دلوں کو مضبوط بنائیں، اور اپنے اوپر سچا اعتماد وتوکل نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

اصلاحی مضامین

نوجوان نسل میں فیشن پرستی کا بڑھتا ہوا جنون؛ اسباب وحل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ نوجوان نسل ہی ملک وملت کا قیمتی سرمایہ اور قوم کا تابناک مستقبل ہے، تہذیب وثقافت کی بقا اسی سے وابستہ ہے، نئی پود ہی دنیا کی ہر تحریک کی کامیابی کا اہم ذریعہ اور قوموں کے عروج وزوال کا بنیادی سبب ہے، جس نے اپنے بے مثال کارناموں سے صفحاتِ تاریخ پر اپنا نام رقم کیا اور ایسے اَن منٹ نقوش چھوڑے؛ جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بارگاہِ نبوت سے اسی دورِ شباب میں کافروں کا کام تمام کرکے" سیف اللہ" کا لقب حاصل کیا، اسی عمر میں ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، اور امام غزالیؒ جیسے اکابر علماء نے تجدید دین کے فرائض انجام دیے، اسی دورشباب میں صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اسی عمر میں حسن البنا شہید نے مصر کی سرزمین کو دعوت الی اللہ کا مسکن بنایا، مولانا ابوالکلام آزاد نے دشتِ صحافت کی نوجوانی ہی میں سیاحی کی، اسی لئے یہ کہنا بجا ہے کہ نوجوان نسل کی تباہی پوری قوم کی تباہی ہے، اگر نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہوجائے تو قوم سے راہ راست پر رہنے کی توقع بے سود ہے، لیکن وائے حسرت ونامرادی! ہوا وہی جس کا ڈر تھا، آج نوجوان نسل اپنی تابناک ماضی کو بھلا کر، انقلابی وتحریکی کاموں کے بجائے فیشن پرستی، دوسروں کی نقالی میں مصروف اور اپنی دینی روایات وتہذیب سے بے زار ہے، اس میں مذہب سے بے گانگی، اور حدودِ شریعت سے اعلانیہ بغاوت ہے، ان کا" رول ماڈل" نبی اور صحابہ نہیں بلکہ آج کے یہ فیشن پرست ہیرو وہیروئن ہیں، انہیں تفریحی مشاغل سے فراغت اور فیشن پرستی سے فرصت نہیں، مغربی تہذیب ان کے لئے لائق تقلید ہے، ان پر فیشن پرستی کا ایسا بھوت سوار ہے کہ سنت رسول اور طریقہء صحابہ میں کوئی خاص دلچسپی نہیں، اور فیشن پرستی کے جنون میں اس حد تک گر چکی ہے کہ جہاں جانوروں کی نظریں بھی شرم سے جھک جاتی ہیں، لباس ہو یا

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

طور وطریقہ، چلنے کا انداز ہو یا گفتگو کا انداز، رہن سہن ہو یا رسوم ورواج ہر ایک میں انہیں مغربی تہذیب ہی پسند ہے، جسم پر قسم قسم کے رنگ برنگے لباس، لباس کے نت نئے ڈیزائن، کسے ہوئے چست لباس، نیم برہنہ، بازووں اور جسم کے نشیب وفراز کو ظاہر کرتے ہوئے پھٹے کپڑوں کے ہی شوقین ہے، اور ایسے hairstyles کہ جنہیں دیکھ ایک پاگل کو بھی بے ساختہ ہنسی آجائے، پھر بات یہی ختم نہیں ہوئی، بلکہ فیشن کا معاملہ بڑھتے بڑھتے وہاں پہونچ گیا جہاں مرد وعورت دونوں نے "من تو شدم تو من شدی" پر پوری مستعدی کے ساتھ عمل کرنا شروع کردیا، فیشن کے نام پر کپڑوں کی ایسی تراش خراش کہ شرم وحیا سر پیٹ کر رہ جائے، لڑکیاں جنس، ٹی شرٹ، میں ملبوس مکمل لڑکوں والا حلیہ بنائے خود پر فخر محسوس کرنے لگیں، شمع خانہ کے بجائے شمع محفل بننا انہیں پسند ہے تو لڑکے ہاتھوں میں کنگن ڈالے، بالوں کی پونی بنائے، کانوں میں بالیاں سجائے، انگلیوں میں چھلے پہنے ہوئے، گردن میں چین لٹکائے صنف نازک کو مات دیتے دکھائی دے رہے ہیں، اب پیچھے سے نہیں بلکہ آگے سے دیکھنے کے بعد بھی یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ یہ مرد ہے یا عورت، جب کہ حدیث شریف میں ہے لعن رسول اللہ ﷺ الرجال یلبسون لبسة المرأة و المرأة تلبس لبسة الرجال (ترمذی) (آپ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کا لباس پہنتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کا لباس پہنتی ہیں) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: لیس منا من تشبہ بالرجال من النساء و لا من تشبہ بالنساء من الرجال (طبرانی) (ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اور وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا من تشبہ بقوم فھو منہ (جو شخص اپنی تہذیب چھوڑ کر دوسری قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا" بہت سی عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہوتی ہیں دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور وہ خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوتی ہیں، وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ جنت کی بو سونگھ سکے گی"

مغربی تہذیب پر فریفتگی کا یہ عالم ہے کہ اب چمچہ کے بجائے ہاتھ سے کھانے، کھڑے ہوکر پانی پینے کے بجائے بیٹھ کر پانی پینے کو رجعت پسندی اور قدامت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور فیشن پرستی کا یہ عالم کہ جیب میں قیمتی قیمتی فون، کانوں میں ایرفون، ہاتھوں میں مہنگی گھڑیاں، اور سواری کے لئے ہزاروں روپے کی گاڑیاں ہیں جس میں اسراف ہی اسراف ہے، لیکن نماز تو دور کی بات، اذان سن کر جواب دینے کی تک فرصت نہیں۔

الغرض وہ ایک حد تک ذہنی ارتداد کے شکار ہوگئے ہیں، ان کا دل ودماغ مغربیت کے بہاؤ میں بہہ چکا

ہے، ان کی زبان پر بھلے ہی محاسن اسلام ہوں لیکن ان کا جسم مکمل طور پر مغربیت کا داعی ہے، بقول علامہ اقبال ؎

خِرد نے کہہ بھی دیا 'لا اِلٰہ' تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

فیشن پرستی کے نقصانات

۱۔ بکثرت طلاق کا وقوع؛ اس لیے کہ شوہر بیوی کے بے جا مطالبات سے تنگ آکر اقدامِ طلاق پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۲۔ غرور و تکبر کا ذریعہ ہے۔

۳۔ فیشن پرست نوجوان مایوسی اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بتائے گئے قیمتی لباس پہننے سے جب عاجز آجائے گا تو لا محالہ مایوسی کی کیفیت سے دوچار ہو جائے گا۔

۴۔ دوسرے فیشن زدہ لوگوں کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر حسد و جلن کا شکار ہو جاتا ہے۔

۵۔ فیشن پرست آدمی کو نہ پیسوں کی فکر ہوتی ہے اور نہ وقت کی قدر بلکہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے تمام حدود پار کر دیتا ہے۔

۶۔ عصمت ریزی کے واقعات اسی فیشن پرستی کی دین ہیں۔

اسباب وحل:

۱۔ اس کا سب سے بڑا اسبب ہمارے والدین کی غفلت ولا پرواہی ہے، انہیں پیسہ کمانے کی فکر تو ہے لیکن بچوں کی تربیت کے لئے وقت نہیں، انہیں Social activities تو یاد ہیں مگر بچوں کے خیالات کو صحیح رخ دینا یاد نہیں، اُنہیں کے سامنے بچے ہیرو ہیروئن کی نقالی کرتے ہیں مگر والدین اسے روکنے کے بجائے اس پر شاداں وفرحاں؛ بلکہ باقاعدہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے نظر آتے ہیں" کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا" وہ دن بہ دن بے حیائی وفیشن کے دلدل میں پھنستے جاتے ہیں لیکن والدین کو اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن جب یہی بچیاں اپنی حیا کا گوہر لٹا چکی ہوتی ہیں تو تب ماتم وواویلا مچاتے ہیں" اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت"

۲۔ وہیں یہ ذرائع ابلاغ ہیں جن میں رسائل، میگزین، اخبارات، نجی ٹی وی چینلز، فلمی ڈرامے وغیرہ شامل ہیں، جہاں اُن میں فلمی ستاروں، کھلاڑیوں کی نیم عریاں تصاویر خاص زاویوں سے رنگین صفحات پر بڑے ہی

اہتمام سے شائع کی جاتی ہیں ، وہیں یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی اپنی مصنوعات کی فروخت کے لئے اشتہار بازی کے ذریعہ بے حیائی وفحاشی کو پھیلانے کا ذریعہ بن رہی ہیں ،جس میں مردوعورت نیم عریاں ،زرق برق لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں جنہیں بار بار دیکھ کر ہماری نوجوان نسل بھی اسی کی نقالی کرنے کی کوشش کرتی ہے ،اوراپنی اسلامی ومشرقی تہذیب کو بھلا بیٹھتی ہے ،اس لئے سب سے پہلے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اسلامی طریقہ پر اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں تربیت کریں ،انہیں سیرت رسول ،صحابہ وصحابیات اور ازواج مطہرات کی حیاء وپاک دامنی کے قصے سنائیں ،عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی آگاہ کریں اور خدا کے واسطے فون ان کے ہاتھوں میں نہ دیں ،اور ہماری مائیں بہنیں جو آنے والی نسلوں کی معمار ہیں وہ خود فیشن پرستی کے فتنہ سے بچیں ،اس لئے کہ اگر وہ خود اسلامی تعلیمات سے دور ہوکر فیشن کے دلدل میں پھنس جائیں گی تو آنے والی نسلوں کی کس طرح تربیت ہوسکتی ہے؟ اور نوجوان خود اپنی اصلاح کی فکر کریں اور فیشن پرستی سے بچنے کی کوشش کریں اس لئے کہ ،" خود ہی نا چاہے تو بہانے ہزار" اور علماء وخطباء اپنے بیانات میں فیشن پرستی کے نقصانات سے نوجوان نسل کو آگاہ کریں اور ان کو تباہ وبرباد ہونے سے بچائیں اس لئے کہ؛

میرے آشیاں کا تو غم نہیں کہ وہ جل رہا ہے جلا کرے
مگر ان ہواؤں کو روکئے کہ سوال سارے چمن کا ہے

قانونی معلومات

دستورِ ہند ایک معروضی مطالعہ

جمع وترتیب: عبدالرشید طلحہ نعمانی*

کسی بھی ملک اور اجتماعی نظام کو چلانے، نظم ونسق کو برقرار رکھنے اور پر امن بقائے باہمی کو فروغ دینے کے لیے مضبوط ومستحکم آئین کی ضرورت ہے، یہی آئین کسی بھی مملکت کی بنیاد واساس ہوتا ہے؛ جس کا تحفظ پورے نظام کو انتشار سے بچانے اور حق دار تک اس کا حق پہونچانے میں ممد ومعاون بنتا ہے، اسی کے ذریعہ بنیادی نظریات وتصورات، اندورنی نظم ونسق کے اہم اصول اور مختلف شعبوں کے درمیان ان کے فرائض واختیارات کی حد بندی وتعیین ہوتی ہے۔ شہری، سیاسی اور انسانی حقوق کے تحفظات کے لیے دستور وآئین کی ضرورت ہر دور میں محسوس کی گئی جو مملکت اور شہریوں کے حقوق کی پاس داری کر سکے۔ ملک کے لیے جو بھی قوانین وضع کیے جائیں گے وہ اسی دستور کی روشنی اور دائرہ میں ہوں گے۔ ہمارے ملک کے دستور کا نام بھارت کا آئین ہے، جیسا کہ دستور کی دفعہ 393 میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

پندرہ اگست 1947ء کو ہمارا ملک انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہوا اور آزادی کے تقریباً ڈھائی سال بعد آئین کا نفاذ عمل میں آیا، اس کے بعد سے ہندوستان ایک مکمل خود مختار جمہوری ملک بن گیا جس کا خواب ہمارے رہنماؤں نے دیکھا تھا اور جس کی آبیاری کے واسطے جام شہادت بھی نوش کیا تھا، اس واقعے کو اب 70 سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے؛ جو ہمیں آئین پر عمل آوری کے حوالے سے دعوت احتساب دے رہا ہے۔

اس طے شدہ دستور کے آغاز میں جو جملے مرقوم ہیں وہ انتہائی دلچسپ اور بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ ملاحظہ ہو: ”ہم ہندوستانی عوام تجویز کرتے ہیں کہ انڈیا ایک آزاد، سماج وادی، جمہوری ہندوستان کی حیثیت سے وجود میں لایا جائے جس میں تمام شہریوں کے لیے سماجی، معاشی، سیاسی انصاف، آزادئ خیال، اظہار رائے آزادئ عقیدہ ومذہب وعبادات، مواقع اور معیار کی برابری، انفرادی تشخص اور احترام کو یقینی بنایا جائے گا اور ملک کی سالمیت ویکجہتی کو قائم ودائم رکھا جائے گا۔“

آئینِ ہند:

26 ر نومبر 1949ء کو سات رکنی کمیٹی (جس کے چیئرمین ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر تھے) نے آئین

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کا مسودہ حکومت کو سونپا،جس کا نفاذ 26/جنوری 1950ء سے عمل میں آیا۔اب تک اس آئین میں تقریباً 92/ترامیم ہوچکی ہیں۔آئین سازی کے عمل میں دوسرے اراکین کے ساتھ ساتھ مسلمان اراکین نے بھی حصہ لیا۔جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، بیرسٹر آصف علی، خان عبدالغفار خاں، محمد سعداللہ، عبدالرحیم چودھری، بیگم اعزاز رسول اور مولانا حسرت موہانی کے نام شامل ہیں۔اس دستاویز پر مولانا حسرت موہانی کے علاوہ سبھی اراکین اسمبلی نے دستخط کیے۔اسمبلی کا آخری اجلاس 24/دسمبر 1949ء کو منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر راجندر پرساد کو اتفاق رائے سے ہندوستان کا اولین صدر جمہوریہ منتخب کرلیا گیا۔ بھارت کے آئین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ دنیا کا سب سے طویل آئین ہے؛ جس میں انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔تفصیلات کے مطابق جمہوریہ ہند کا دستور کچھ اس طرح سے ہے۔

دستور ہند میں 395 دفعات (articles)، 22 ابواب (chapters)، 12 ضمیمے (schedus) اور 02 تتمے (appndix) ہیں۔ ملک کا یہ دستور اپنی بہت سی خوبیوں اور کچھ خامیوں کے باوجود دنیا کا بہترین دستور میں شمار کیا جاسکتا ہے۔لیکن یہ بھی ایک کڑوی حقیقت ہے کہ جتنی پائمالی و بے حرمتی دستور ہند کی گئی شاید ہی دنیا کے کسی دستور کی کی گئی ہو۔اور جتنا اس دستور کے الفاظ و معانی، مطالب نتائج سے کھلواڑ کیا گیا دنیا کے کسی ملک کے دستور کے ساتھ نہیں کیا گیا۔حکمراں طبقہ نے عوام کو آئین کی طاقت اور اس کی اہمیت سے واقفیت ہی نہیں ہونے دیا اور عوام نے بھی کبھی دستور کے مکمل نفاذ کے بارے میں کوئی پرزور تحریک نہیں چلائی، خصوصاً مسلمانوں نے تو اس سلسلہ میں کافی کوتاہی برتی۔ بھارت میں ثقافتی فاشزم کو سیکولر کے سانچے میں ڈھالا گیا اور ایک مذہب کے عقائد کو ملک کے استحکام و یک جہتی کے نام پر جبراً مسلط کیا گیا۔اب تو ملک میں آر ایس ایس کی سرپرستی میں بی جے پی حکومت کررہی ہے۔این آرسی اور شہریت ترمیمی قانون کے تناظر میں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے کہ موجودہ حکومت ملک میں کس طرح کا دستور اور قانون نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ہمارے آئین میں انسانی حقوق کے تحفظ کی مختلف دفعات کے باوجود بڑے پیمانے پر وطن عزیز میں انسان کے بنیادی حقوق کی پائمالی ہورہی ہے، کہیں بولنے پر پابندی ہے تو کہیں کھانے اور لباس پر پابندی ہے۔کبھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا ہوّا کھڑا کیا جارہا ہے، تو کبھی مسلمانوں سے ان کی مذہبی آزادی سلب کرنے کی ناپاک کوشش ہورہی ہے۔غرض وطن عزیز میں اقلیتوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی بھی حکومت کو جمہوری حکومت اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب وہ انصاف، آزادی، مساوات، اور اخوت کے تقاضوں کو پوا رکرسکے؛ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

انصاف: اس میں سماجی، معاشی، سیاسی انصاف شامل ہیں۔

آزادی: اس ضمن میں خیالات، اظہار رائے، عقیدہ، ایمان اور عبادت کی آزادی شامل ہے۔

اخوت: اس کے تحت ہر شہری کا وقار اور ملک کی سالمیت کے لیے ممکنہ کوششیں شامل ہیں۔

اب ہم ان نکات کا بغور جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ آزادی ہند کے بعد سے آج تک حکمران جماعتوں نے اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ دستوری انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کبھی ایماندارنہ کوشش نہیں کیں۔ مسلمانوں کے سماجی انصاف کی بات کی جائے تو آج بھی تقسیم ہند کا جواز دیتے ہوئے سب سے بڑی اقلیت کو اس کا موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ یہ بات عیاں ہے کہ 1857 کے غدر میں سب سے زائد مسلمانوں نے خون بہایا اور آزاد بھارت کیلئے اپنی جان و مال تک کو نچھاور کر دیا۔ لاکھوں علماء کرام، صحافیوں اور دانشوروں کو انگریزوں نے قتل کیا اس کے برعکس زعفرانی طاقتیں انگریزی حکومت کی دلالی کرتی رہیں۔

باشندگانِ وطن کے بنیادی حقوق:

آبادی کے لحاظ سے ہندوستان، دنیا کی سب سے بڑی پارلیمانی، غیر مذہبی جمہوریت ہے، اس کے دستور و آئین کے کچھ اہم امتیازات ہیں، یہاں کے شہریوں کو خود اپنی حکومت منتخب کرنے کا بھرپور حق حاصل ہے اور یہاں عوام ہی کو سرچشمۂ اقتدار و اختیار مانا جاتا ہے، اس طرح تمام باشندے بلاتفریق مذہب وملت ''ایک مشترکہ جمہوریت'' کا اٹوٹ حصہ ہیں۔

ذیل میں شہریوں کے چند اہم اور بنیادی حقوق قدرے تفصیل کے ساتھ درج کیے جارہے ہیں؛ جن کے بہ غور مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ ہمارا آئین پوری طرح سے انسانی حقوق کا پاس دار اور مذہبی آزادی کا علم بردار ہے۔

حق مساوات: ملک میں رہنے والے تمام ہی افراد باعتبار انسان یکساں حقوق کے مالک ہیں اور آئینی اعتبار سے ان کے اندر کسی قسم کی اونچ نیچ، ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تفریق نہیں۔ حقوق و اختیارات میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا آئین واضح طور پر مساویانہ حقوق کا پاسدار ہے جیسا کہ آئین کی دفعہ 14,15 میں کہا گیا ہے۔ "مملکت کسی شخص کو ملک کے اندر قانون کی نظر میں مساوات یا قوانین کے مساویانہ تحفظ سے محروم نہیں کرے گی۔" اور "مملکت محض مذہب، نسل، ذات، جنس، مقام پیدائش یا ان میں سے کسی کی بناء پر کسی طرح کا امتیاز نہیں برتے گی۔" سرکاری ملازمت کے سلسلے میں تمام باشندگان کو ملے ہوئے حقوق کا ذکر آئین کی دفعہ 16 میں کیا گیا ہے۔ "تمام شہریوں کو مملکت کے کسی عہدے پر ملازمت یا تقرر سے

متعلق مساوی موقع حاصل ہوگا۔"

حق آزادی: حق مساوات کے ساتھ ہی ایک جمہوری آئین کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہاں کے رہنے والے مختلف قسم کی آزادی کے حامل ہوں۔ ان میں اظہار رائے کی آزادی بھی ہوسکتی ہے اور مختلف جلسے، انجمنیں اور جلوس وغیرہ منعقد کرنے، تنظیمیں اور تحریکیں بنانے اور چلانے، آزادانہ طور پر پورے ملک کا سفر کرنے، سرمایہ کاری کی آزادی اور جان و مال کی آزادی بھی ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے باوقار آئین میں کہا گیا ہے۔ دفعہ 19 تا 22 میں لکھا ہے "مملکت کے تمام شہریوں کو حق حاصل ہوگا۔"

(الف) مملکت کے ہر ایک حصہ میں تقریر اور اظہار کی آزادی کا۔

(ب) امن پسند طریقے سے اور بغیر ہتھیار کے جمع ہونے کا۔

(ج) انجمنیں یا یونین قائم کرنے کا۔

(د) بھارت کے سارے علاقے میں آزادانہ نقل وحرکت کرنے کا۔

(ھ) بھارت کے کسی بھی حصے میں بود و باش کرنے اور بس جانے کا۔

(ی) کسی پیشے کے اختیار کرنے یا کسی کام دھندے، تجارت یا کاروبار چلانے کا۔

مذہب کی آزادی: انسانی فطرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر سب سے حساس مذہبی جذبہ ہوتا ہے۔ اس کے تحت ہی مختلف افراد میں جنگ وجدل کا وجود نظر آتا ہے۔ یہ بات ان ملکوں میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے جہاں مختلف مذاہب کے پیروکار رہتے ہوں۔ ہمارے ملک کا اس سلسلہ میں بہت نمایاں مقام ہے کیونکہ یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے سیاسی قائدین نے بڑی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا کہ انھوں نے یہاں کسی مذہب کو خاص اہمیت نہ دے کر سب کو برابر اور یکساں حقوق دیئے۔ اس لئے آئینی اعتبار سے ملک کے ہر ایک شہری کو اپنے مذہب پر آزادانہ عمل کرنے، اس کی تبلیغ وتشہیر کرنے اور اس کے اصولوں پر چلنے کی مکمل آزادی دی گئی اس سلسلے میں آئین کی دفعہ 25 میں کہا گیا ہے۔ "تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے۔ اس کی پیروی کرنے کا مساوی حق حاصل ہے۔"

ثقافتی اور تعلیمی حقوق: ہمارا ملک مختلف تہذیبوں کا امین اور مختلف تعلیمی نظریات کا گہوارہ ہے اسی وجہ سے یہاں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تمام ہی لوگوں کو اپنی تہذیب وثقافت اور علم وادب کی حفاظت کو فروغ کے حقوق حاصل ہوں۔ یہاں کے ہر ایک شہری کو ہی حصول تعلیم کی آزادی اور اپنے شعائر وثقافتی ورثے کو محفوظ رکھنے کا اختیار دیا جائے۔ اس سلسلے میں آئین کی دفعہ 29 میں کہا گیا ہے۔ "بھارت کے علاقے میں یا اس کے

کسی بھی حصے میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقے کو جس کی اپنی جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو اس کو محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔" آئین کی دفعہ 30 میں یہ بھی کہا گیا ہے۔"تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کے نام پر ہوں یا زبان کے، اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام کا حق حاصل ہوگا۔"

جائداد کا حق: مملکت میں رہنے والوں کو آئینی اعتبار سے یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ کسی بھی شخص کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے اور اسے اپنی جائیداد فروخت کرنے یا کسی دوسرے کی جائیداد خریدنے خواہ وہ ملک کے کسی بھی حصے میں ہو کا اختیار حاصل ہوگا۔ ملک کے ہر شہری کو یہ بھی حق دیا گیا ہے کہ وہ متعلقہ قوانین کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی املاک وجائیداد اور ان سے حاصل شدہ آمدنی کو کسی بھی طرح اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے۔ یا کسی تنظیم، تحریک یا کسی اور کو ملک کی فلاحی ورفاہی کاموں پر خرچ کرسکتا ہے۔

دستوری چارہ جوئی کا حق: ہمارے آئین کے تیسرے حصے میں ضبط کئے گئے حقوق کو بحال کرانے اور ان کی حفاظت کے لئے سپریم کورٹ ودیگر عدالتوں سے چارہ جوئی کرنے کا حق سب کو حاصل ہے۔ متعلقہ عدالتوں کو ان حقوق کی بحالی اور تحفظ کے لئے ہدایات یا احکام یا مختلف خصوصی فرمان جاری کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ آئینی اعتبار سے عدالتی چارہ جوئی کے حق کو محض دستور میں بیان کی گئی متعلقہ دفعات کے تحت ہی معطل کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں پارلیمنٹ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ کون سے بنیادی حقوق کس حد تک کسے دیئے جائیں۔ غرض کہ آئینی اعتبار سے ملک کے ہر ایک شہری کو ہی کسی بھی معاملے میں دستوری چارہ جوئی کا پورا پورا حق دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے باوقار آئین میں جس طرح سے عوام الناس کو بالادستی حاصل ہے اور یہاں کے رہنے والوں کے بنیادی حقوق کا جس طرح لحاظ رکھا گیا ہے اس بنا پر بلاخوف تردید یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ ہمارا آئین پوری طرح سے انسانی حقوق کا پاسدار اور اس کا سچا علمبردار ہے۔ (بہ حوالہ آئین ہند؛ حقوق انسانی کا سچا علم بردار ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ 2، جلد: 90)

کرنے کا اہم کام:

اس وقت ہم کروڑوں مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمیں دستور وآئین سے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں، ہمیں اس بات کا پتہ ہی نہیں کہ بحیثیت شہری اور مسلمان ہونے کے ہمیں کیا کیا حقوق حاصل ہیں، ہمیں اس کی خبر ہی نہیں کہ آئین نے ہمیں کیا دیا ہے اور ہم دی گئی مراعات سے کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کیا اٹھا سکتے ہیں۔ اگر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کیا جائے اور موجودہ حالات کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

فکرونظر

ایک فکر شاذ

راشد شاز کے افکار پر ایک اچٹتی نظر

از: مولانا محمد یحییٰ نعمانی*

نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت اور تکمیلی شان کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک پیدا ہونے والے بے شمار دینی فتنوں اور خطرناک گمراہیوں سے اپنی امت کو آگاہ اور ہوشیار فرمادیا تھا۔ اس آگاہی کا مقصد صرف اطلاع وپیشین گوئی نہیں تھا بلکہ امت میں دینی گمراہیوں سے تحفظ کا داعیہ اور عقائد وافکار کے فتنوں کے سلسلے میں حساسیت پیدا کرنا تھا۔ اس سلسلے کی ایک حدیث پڑھیے، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قلت: یا رسول الله، إنا كنا في جاهلية وشر، فجاء نا الله بهذا الخير، فهل بعد هذا الخير شر؟ قال: نعم، فقلت: هل بعد ذلک الشر من خير؟ قال: نعم، وفيه دخن، قلت: وما دخنه؟ قال: قوم يستنّون بغير سنتي، ويهدون بغير هديي، تعرف منهم وتنكر، فقلت: هل بعد ذلک الخير من شر؟ قال: نعم، دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها، فقلت: يارسول الله صفهم لنا، قال: نعم، قوم من جلدتنا، ويتكلمون بألسنتنا ''(صحیح مسلم: ۱۸۴۷)

میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: اے رسول خدا! ہم جاہلیت وشر میں مبتلا تھے، پھر اللہ نے ہم کو یہ نعمت عطا فرمائی (کہ دین خالص ہم میں پھیل گیا)۔ کیا اس خیر کے بعد (امت میں) شر بھی آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا: کیا اس خیر کے باوجود امت میں شر بھی ہوگا؟

آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، لیکن اس خیر میں گدلے پن کی آمیزش بھی ہوگا۔

میں نے عرض کیا: یہ گدلا پن کیا ہوگا؟

آپ نے کہا کچھ لوگ میری سنت کے خلاف چلیں گے اور میرے طریقے کو چھوڑ دیں گے۔ ان کی کچھ باتیں اچھی ہوں گی کچھ بری۔

---

* ناظم المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنؤ

میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد مزید کچھ شر آئے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! مسلمانوں میں ایسی گمراہ دعوت کے حاملین اٹھیں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی دعوت قبول کرے گا، وہ اس کو جہنم میں ڈال کے رہیں گے۔

میں نے دریافت کیا: اے رسول خدا! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا بتایئے تو، وہ کیسے لوگ ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ہماری ہی قوم کے لوگ ہوں گے جو ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے"۔

نبی صادق ومصدوق کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہنی تھی۔ مسلمانوں میں انہی کی نسل ورنگ کے گمراہ کن داعی اٹھے، اور خوب خوب اٹھے۔ جو انہی کی سی دینی زبان اور اسلامی اصطلاحات میں اپنے گمراہانہ خیالات پھیلاتے تھے، انہوں نے اپنے تئیں دین محمدی کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ ان میں سے بہت سے "دعاۃ علیٰ ابواب جھنم" (جہنمی دعوتوں کے داعی) کے ایسے صحیح مصداق تھے کہ ان کے نظریات کو قبول کر لینے کے بعد دین محمدی کی بنیادوں پر بھی یقین اور اس کے اہم اساسی فرائض پر عمل ممکن نہیں رہ سکتا۔

اسلام کے سیاسی زوال کے بعد ایسے حوصلہ مندوں اور طالع آزماؤں کے لیے بڑے جاذب مواقع اس کے پیدا ہو گئے کہ وہ اپنی ذہانتوں کے ذریعے مسلمانوں میں دین پر بے اعتمادی اور فکری بغاوت وانتشار پیدا کریں اور دشمنان اسلام کی آنکھوں کا تارہ بن کر مفادات ومراعات کی فصلیں کاٹیں، اس لیے ہمارا یہ دور ایسے فتنوں کے لیے بڑا زرخیز ثابت ہو رہا ہے۔ اس دور میں ایک ایسی ہی باغیانہ دعوت ظاہر ہوئی، جس کے داعی ایک چابک دست صاحبِ قلم جناب راشد شاز صاحب ہیں۔

شاز صاحب کی فکر کا خلاصہ تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والا دین کب کا مٹ چکا، امت میں علماء کے نام سے احبار ورہبان پیدا ہو گئے جنھوں نے اسلام کے متوازی ایک نیا دین ومذہب اور الگ شریعت ایجاد کر لیے۔ ظاہر ہے کہ اتنے خطرناک دعوے کے لیے دو باتیں کہنا ضروری تھیں۔ پہلی یہ کہ تمام اسلامی علوم خصوصاً حدیث وسنت اور ان پر مبنی شریعت وفقہ کے ذخیرے بے اصل اور افتراء وکذب پر مبنی ہی نہیں ایک خطرناک شیطانی سازش کا نتیجہ ہیں۔ دوسری یہ کہ شروع سے اب تک تمام امت، اس کے علماء وائمہ عقائد وافکار اور شریعت وقانون کے سلسلے میں نہ صرف صریح گم راہی اور جاہلیت میں مبتلا تھے، بلکہ وہ (معاذ اللہ) بدترین قسم کے مفتری وکذّاب اور خدا ودین دشمن تھے۔ شاز صاحب پہلی بات نہایت صراحت وتکرار کے ساتھ کہتے ہیں اور دوسری ذرا لپیٹ کر، مگر پوری جرأت رندانہ سے۔ لیکن ایسے کہتے ہیں کہ حاصل ومدعا یہی نکلتا ہے۔

شاذ صاحب کے فکر و دعوت کا بنیادی پتھر دین میں حدیث وسنت کی قانونی وتشریعی حیثیت سے انکار ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت کو بطور دین صرف قرآن ملا ہے اور کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام وارشادات مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت نہیں ہیں۔ یہ نظریہ وخیال خود قرآن کے واضح طور پر خلاف ہے۔ اس کے علاوہ کسی ذات کو اللہ کا نمائندہ اور پیام بر ماننے کے بعد اس کی اطاعت ضروری نہ سمجھنا اور اس کی تعلیمات وہدایات کو تسلیم نہ کرنا ایسا نامعقول نظریہ ہے کہ کسی سمجھ دار اور پڑھے لکھے آدمی سے اس کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن چوں کہ مغربی فکر وتہذیب کی بین الاقوامی سیادت وقیادت کی وجہ سے اس زمانے کی عمومی فضا میں آزادی پسندی اور آوارہ مزاجی کی مسموم روح رچ بس گئی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد ایسے طبقات کی پیدا ہوگئی ہے جن کے لیے شریعت کی پابندیاں اور حلال وحرام کی حد بندیاں ناگوار بوجھ ہیں۔ اس لیے کہیں بھی اس گمراہ کن نظریے کی دعوت قائم ہوتی ہے اور حدیث وسنت کے بارے میں تشکیک کی کوشش ہوتی ہے شرعی پابندیوں کو بوجھ سمجھنے والے آزادی پسند دل بے اختیار اس کی طرف لپکنے لگتے ہیں۔ اس نامعقول نظریے کے رہ رہ کر اٹھنے اور بار بار کچھ لوگوں کو اپنے گرداب میں بہالے جانے میں کامیابی کی اصل وجہ زمانے کا یہ عمومی رجحان اور یہی نفسیاتی میلان ہے۔

راشد شاذ صاحب کی طرف سے انکار حدیث کا یہ فکر اس طرح پیش کیا گیا کہ جیسے تاریخ کی انوکھی تحقیق پیش ہو رہی ہے۔ آہنگ وانداز سے لگتا ہے کہ محقق نابغۂ روزگار قسم کا فرد ہے، جس نے قرآن وحدیث کے تمام خزانوں کو کھنگال کر ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان جس کو حدیث وسنت کے نام سے دینی حجت کہتے ہیں وہ سب جھوٹوں اور فریبیوں کی تحریفات ہیں جنہوں نے دین کی صورت ہی مسخ کر ڈالی ہے۔ ہم اس تحریر میں ان کے فکر کے بس عناوین ذکر کرتے ہیں، تفصیل کی ضرورت اس لیے نہیں کہ شاذ صاحب ان افکار کا صراحت سے انکار نہیں کرتے۔ جن لوگوں کو تفصیل چاہیے ہو وہ ہمارے دیے حوالوں پر ان تمام تصریحات کا مطالعہ سر کی آنکھوں سے کر سکتے ہیں۔

مسلم امت کی جو ''فرد جرم'' شاذ صاحب تیار کرتے ہیں اس کے کچھ الزامات یہ ہیں:

☆ حدیث کے نام سے جو مجموعہ مسلمانوں کے پاس ہے یہ گھڑی ہوئی روایات کا مجموعہ ہے، جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ دین صرف قرآن ہے۔

☆ اسلام کو حدیث کے نام سے (یہودیوں کی کتاب ''مشنا'' جیسے) کالے اور گھناونے لباس میں مقید کر دیا ہے۔ (ادراک زوال امت ۱/۲۰۰)۔

☆ ساری امت مشرک ہو چکی ہے، مسجدیں اور مدرسے بت پرستی کے اڈے بن چکے ہیں۔

(متحدہ اسلام کا منشور: ص: ۱۳)

☆ عملی دین کا کچھ بھی حصہ محفوظ نہیں ہے، یہاں تک کہ دین کا سب سے بنیادی عمل نماز بھی اب اس شکل میں نہیں ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین پڑھا کرتے تھے۔ (نماز کی بابت شاز صاحب کے ان خیالات کے لیے ملاحظہ ہو: (ادراکِ زوال امت: ص: ۱/ ۲۳۵-۲۳۲، ۱/ ۳۸۱-۳۸۰)۔

ان افکار وخیالات کی اشاعت کے لیے دسیوں مضامین اور ضخیم اور چھوٹی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں گھما پھرا کر یہی افکار سیکڑوں مرتبہ دہرائے گئے۔

محض تخریب اور انہدامی کارروائی:

شاز صاحب کی تحریریں پڑھ کر صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد کوئی مثبت دعوت یا اصلاحی پروگرام قطعاً نہیں ہے۔ کہیں انہوں نے کوئی نیا لائحۂ عمل یا ایسا علمی نظریہ نہیں پیش کیا ہے جو یہ بتاتا ہو کہ حقیقی اسلام کیا ہے۔ ان کی تمام تحریروں کا حاصل محض ''انہدامی کارروائی'' ہے، یعنی بس یہ ثابت کرنا کہ اسلام کے نام سے جو دین اس وقت موجود ہے یہ قطعاً گھڑا ہوا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی پر جوش دشمن ڈانامائٹ لیے دھماکوں پر دھماکوں کے ذریعے قلعے کو زمیں بوس کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

حد یہ کہ انہوں نے صحابہؓ کے دور سے ہی حدیثیں گھڑنے اور بیان کرنے کی بات بھی فرمائی، ان کا کہنا ہے کہ

> صحابہؓ نے بھی احادیث وروایات میں من گھڑت اضافے کیے تھے، انہوں نے لکھا ہے کہ مشہور صحابی رسول حضرت زبیرؓ کہتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشہور حدیث من کذب علیّ... میں 'متعمداً' کا لفظ ارشاد نہیں فرمایا تھا، لوگوں (صحابہؓ) نے اپنی جانب سے اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ادراک زوال امت، ۱/ ۲۰۵)

ناظرین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ بالکل ہی جھوٹا اور بے اصل دعویٰ ہے، شاز صاحب نے اس کا جو حوالہ دیا ہے وہاں یہ بات سرے سے ہے ہی نہیں۔ مزید خود حضرت زبیرؓ نے ''متعمدا'' کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے۔ (ابوداؤد اور مسند احمد)۔

شاز صاحب کا اصل نشانہ وہ علماء اسلام ہیں جنہوں نے صحابہؓ سے دین لیا اور اگلی نسلوں تک پہنچایا، وہ کہتے

ہیں کہ علماء کا اصل مشن دینِ محمدی کی تحریف اور اس کی جگہ اپنے بنائے ہوئے دین کو پھیلانا تھا، جس کو چھپانے کے لیے یہ ”مکار بہروپیے“ ورع وتقویٰ کا منافقانہ لباس پہنے رہتے تھے۔

”سلاطین چونکہ تلواروں کے سہارے برسرِ اقتدار آئے تھے اس لئے ان کی شناعت ہر کس وناکس پر عیاں تھی البتہ علماء نے ورع وتقویٰ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اس لیے ان کے اصل ارادوں پر پردہ پڑا رہا“ (متحدہ اسلام کا منشور، ص ۳۷)۔

حدیث کے ایک مشہور امام اور تابعین کے دور کی نہایت محترم شخصیت امام محمد بن شہاب زہریؒ ہیں۔ امام مالک جیسے ائمہ ان کے نہایت نیاز مند شاگرد وخوشہ چیں ہیں۔ ”علم کی بلند ترین چوٹی پر فائز اس محقق اعظم“ کی کم علمی کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ادراک زوال امت میں بیسیوں مرتبہ ان کا تذکرہ کیا ہے اور ہر جگہ ”ابن شہاب زہری کو“ شہاب زہری“ لکھا ہے، ان کو اس مشہور محدث کا صحیح نام تک معلوم نہیں، جس کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ مدرسے کا ایک اوسط طالب علم بھی اس کے نام میں شاید غلطی نہ کرے۔

شاز صاحب اپنی سطح سے ایسے افکار کی اشاعت عرصے سے کرتے آرہے تھے، مگر حکومت ہند کی مہربانیوں کا ایک تحفہ مسلمانوں کو یہ بھی دیا گیا کہ ان کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں منصب تدریس پیش کیا گیا۔ نیز اس ڈھب کے مزید ”مفکرین اسلام“ پیدا کرنے کے لیے ان کو ”برج کورس“ کا ذمے دار بنا کر مدارس کے فارغین کی علمی وفکری تربیت کا کام سپرد کیا گیا۔ اب ان کے فکر کی اشاعت کے لیے مسلمانوں کی یونی ورسٹی کا اسٹیج حاضر ہے۔

موصوف ایک طرف امت مسلمہ کو مشرک اور غیر مسلم قرار دیتے ہیں، ایک مرتبہ پھر زخمی دل سے اپنی تکفیر پڑھ لیجیے، شاز صاحب فرماتے ہیں:

”کیا آپ مسلمان ہیں؟ اے کاش کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہوتا، لیکن اسے ہماری بدقسمتی کہیے کہ فی الواقع ایسا ہے نہیں“ (متحدہ اسلام کا منشور: ص: ۱۳)

مگر عجب طرفہ یہ ہے کہ اس دور کے یہود ونصاریٰ کو وہ مومن اور راہ یاب بتاتے ہیں۔ اور مسلمانوں اور ان کے علماء کی اس پر خوب مذمت کرتے ہیں کہ وہ اس دور میں ہدایت اور رضاء الٰہی کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی ورسول تسلیم کرنے اور شریعت محمدی کی اتباع کو شرط قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو مومن ثابت کرنے کے پیچھے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں؟ اور ایسا کر کے کس کی خوشنودی حاصل کرنا مقصد ہے؟ غالباً یہ کوئی معمہ نہیں۔

ذکر اسلاف

حضرت مولانا عبدالرحمن مظاہریؒ کی وفات

ایک عہد کا خاتمہ اور تاریخ ساز شخصیت کی رحلت

مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری*

بتاریخ ۳۰ جون ۲۰۱۹ء بروز اتوار یہ اندوہ ناک اطلاع ملی کہ جدہ (سعودی عرب) میں مقیم سرزمین حیدرآباد کے عظیم سپوت، علم وفضل، تقوی وطہارت، تصنیف وتالیف کی عظیم شخصیت حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مظاہریؒ (بانی وناظم اول مجلس علمیہ حیدرآباد وخلیفہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ) اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ اپنے عہد کے ایک عظیم انقلابی کارنامے انجام دینے والے عالمِ دین تھے، جنہوں نے ایک زمانہ میں سرزمین حیدرآباد میں زبردست علمی، دینی، اصلاحی وتدریسی خدمات انجام دیں، اور پھر نامساعد حالات کے بعد ۱۹۷۷ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں سعودی عرب کی اقامت حاصل کرلی اور تادمِ آخر قیام پذیر رہے بالآخر وہیں سے دنیا سے رخصت ہوئے۔

چوں کہ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ اور عمر کا آخری دور سعودی عرب میں گذرا ہے اس لئے بہت سے حضرات کو ان کی زندگی، ان کی قربانیوں اور دین کے لئے ان کی محنتوں کا علم کم ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک دور میں سرزمینِ حیدرآباد بلکہ علاقۂ دکن میں آپ کی بیش قیمت خدمات اور ناقابلِ فراموش کارنامے رہے ہیں۔ مجلس علمیہ آندھراپردیش جو علماء کرام کی قدیم اور عظیم تنظیم شمار کی جاتی ہے، اس کے بانی مولانا عبدالرحمن صاحب مظاہریؒ ہی ہیں، جامعہ نظامیہ میں سولہ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کا آپ کو اعزاز حاصل ہے

پیامِ توحید وسنت کی اشاعت اور اس کے لئے جدوجہد کرنے میں آپ نے اپنی صلاحیت، اپنی قوت اور اپنی جوانی کو لگادیا۔ اس کے لئے ہر قسم کے حالات کو جھیلا، مجلس علمیہ کے قیام کے ذریعہ علماء کرام سے استفادہ کی راہوں کو ہموار کیا، شہر واطراف میں دروس قرآن وحدیث کے ذریعہ دینی فکر اور دینی مزاج کو پروان

---

* مدیر ماہنامہ الاصلاح، کریم نگر

چڑھانے کی بڑی کوششیں کیں، وعظ وخطابت کے ذریعہ قوم وملت کی گراں قدر خدامات انجام دیتے رہیں۔ بزرگوں کی نگرانی اور اکابر کی سرپرستی میں علم دین کو حاصل کیا اور اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے اپنے آپ کو کھپایا۔حصولِ علم کے لئے بھی آپ نے غیر معمولی مجاہدوں کو برداشت کیا۔

۲۰۰۸ء میں جب راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں تھا، دیوبند میں آپ کی تشریف آوری ہوئی، اپنے پاس موجود نسبتِ اکابر کو منتقل کرنے اور طلبائے علومِ نبوت کو اجازتِ حدیث عطا کرنے کے لئے آپ نے بطورِ خاص یہ سفر کیا تھا، دودن دیوبند میں قیام فرمایا اور ایک دن مظاہر العلوم سہارنپور میں، الحمدللہ اس راقم کو تین دن آپ کے ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس موقع پر بہت سی باتیں اور بیش قیمت نصیحتیں سننے کو ملیں اور مختصر وقت میں کچھ استفادہ کرنے کا موقع ملا۔سادگی، خلوص، محبت، علم، فضل اور تقوی میں آپ بلاشبہ نمونۂ اسلاف تھے۔آپ کی سوانح ''کاروانِ حیات'' کو پڑھنے کے بعد ہر کوئی آپ کا گرویدہ ضرور ہوگا اور آپ کی داستان ایمان افروز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔آپ کے انتقال کی خبر سن کر وہ روشن چہرہ نگاہوں میں ہے، میٹھی اور نرم گفتگو آج بھی محسوس ہوتی ہے۔خدا آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی عظیم خدمات کو ثوابِ جاریہ بنائے۔آمین

آپ کی علمی وعملی زندگی جس نشیب وفراز سے گذری، اور ابتلاء وآزمائش سے دوچار ہوئی اس کی دلچسپ اور فکر انگیز وایمان افروز داستان آپ نے اپنی سوانح ''کاروانِ حیات'' میں لکھی ہے، جسے ہر طالب علم اور ہر عالمِ دین کو پڑھنا چاہیے تاکہ آپ کی تاریخی خدمات اور انقلابی کارناموں کا اندازہ ہو اور احقاقِ حق کے لئے آپ کی جدوجہد کا علم بھی ہوسکے، کن حالات میں آپ نے اپنی خدمات کا آغاز کیا اور کس طرح سے مسائل ومشکلات کا سامنا کرتے ہوئے علم کی شمع کو روشن کیا ان تمام باتوں کو بہت ہی دلکش پیرائے میں آپ نے قلمبند کیا ہے۔ذیل میں آپ کے مختصر حالات کو آپ ہی کی خودنوشت سوانح سے نقل کیا جاتا ہے۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں حیدرآباد کے قدیم محلہ ''یاقوت پورہ'' میں ہوئی۔والد بزرگوار کا نام احمد شریف تھا۔جو نظام حیدرآباد کے دورِ حکومت میں تحصیل شرقی کے صیغۂ ہراج کے ذمہ دار تھے۔ لکھتے ہیں کہ: عمر کے پانچویں سال میں اسکول میں داخل کیا گیا، ساتویں کلاس پاس کیا تھا کہ ستمبر ۱۹۴۸ء حیدرآباد پر انڈین یونین کا حملہ ہوا اور یہ چھوٹی سی اسلامی ریاست جس کے آخری تاجدار نظامِ سابع میر عثمان علی خان بہادر اقتدار سے بے دخل کردیئے گئے اس طرح ساتویں نظام پر خاندانِ آصف جاہی کا دوسوسالہ اقتدار ختم

ہوگیا۔اس حادثے نے مسلمانانِ دکن کی بساط ہی الٹ دی ،اس افراتفری میں میرا تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہوگیا، والدصاحب مرحوم نے تجارتی سلسلے میں منسلک کردیا۔‘‘

تعلیم وتربیت:

دل میں حصولِ علم کا شوق موجزن تھا اس لئے ۱۹۴۹ء میں کسی طرح اشرف المدارس ہردوئی پہنچے اور یہاں سے فراغتِ تعلیم تک ایک ایمان افروز سلسلہ ہے کہ آپ نے تحصیلِ علم کے لئے کیسی کیسی قربانیاں دیں اور حالات کا مقابلہ کیا۔ بالآخر ۱۹۵۳ء مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور یوپی میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۸ء سے فراغت حاصل کی۔آپ فرماتے ہیں کہ: یہ چندسال میری حیاتِ دنیا کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جس نے مستقبل میں خدمتِ دین واسلام کے لئے سب کچھ مہیا کردیا۔حضرت مولانا اسعداللہ صاحبؒ ناظم مظاہرعلوم کی خدمت، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ سے کسبِ فیض اور مولانا سید ظہورالحسنؒ صاحب کی نگرانی میں آپ نے اپنی شخصیت کوسنوارااور اوصافِ حمیدہ واخلاق عالیہ سے مزین کیا۔زمانۂ طالب علمی میں اپنے اساتذہ کرام اور اکابرینِ عظام کے منظورِنظر رہے۔

آغازِ خدمات:

عالمیت سے فراغت کے بعد صرف ڈیڑھ سال میں حفظ قرآن کی تکمیل کی ۔ ۱۹۶۰ء میں بھونگیر میں امامت وخطابت سے دینی خدمات کا آغاز کیا،تعلیم بالغان کا سلسلہ بھی یہاں شروع فرمایالیکن دل میں تدریسِ کتب کی خواہش تھی، بالآخر ۲۵۰ روپے کی تنخواہ چھوڑکر جامعہ نظامیہ میں ۶۰ روپے کے مشاہرہ پر اپنی تدریسی خدمات شروع کی، جامعہ نظامیہ میں آپ کے تقرری کی داستان بھی بہت دلچسپ ہے۔یکم جون ۱۹۶۱ء میں جامعہ نظامیہ میں آپ کا بحیثیت ’’استاد دینیات‘‘ تقرر ہوا۔اس کے بعد جامع مسجد ملے پلی میں جمعہ کی خطابت بھی آپ کو مل گئی ۔بقول حضرت مولانا: جمعہ والی خطابت جس سے عوامی دعوت وتبلیغ کی راہیں فراہم ہوئیں۔ جمعہ کا ہر خطبہ دوسرے جمعہ کے لئے پیامِ دعوت ثابت ہونے لگا، چار چھ ماہ کے اندراندر مصلیوں کی تعداد سہ چند ہوگئی، پھر بہت جلد مسجد کی توسیع بھی عمل میں آئی۔

ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ: ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۱ء کا دس سالہ دور میری زندگی میں درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا عنوان رہاہے۔جامعہ نظامیہ میں حدیث شریف کی اساسی کتب کے علاوہ دیگرعلوم کی کتابیں بھی زیر درس رہی ہیں، خارجی اوقات میں عام مسلمانوں کے لئے قرآن وحدیث کے درس کا سلسلہ جاری رہا۔تفسیر، حدیث، اور فقہ تینوں دروس میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کثرت رہا کرتی تھی، سن رسیدہ اور معمر حضرات بھی اہتمام سے

شریک ہوا کرتے تھے، ان دروس میں درس فقہ کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں رسم ورواج اور تقلید آباء واجداد کے جامد تصورات متزلزل ہونے لگے، قرآن وحدیث کی روشنی میں حق وباطل، سنت وبدعت، ہدایت وضلالت کے باہمی فرق کو دیکھا اور سمجھا جانے لگا، اس طرح ذہنی وفکری راہیں کشادہ ہونے لگیں، بدعات وخرافات سے بچانے اور سنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے آپ نے گویا مجاہدانہ کام انجام دیا۔

مجلس علمیہ کی تاسیس:

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ اوران کے ساتھ مولانا سید اکبر صاحب مدظلہ بھونگیر، مولانا شبیر صاحب نرمٹہ، مولانا عبدالعزیز صاحبؒ سوریا پیٹ، مولانا رضوان القاسمی صاحبؒ، مولانا اکبرالدین قاسمی صاحبؒ اور بعض دیگر احباب کو یہ فکر تھی کہ دیوبند، سہارنپور، دہلی، اور ندوۃ العلماء کے فارغین متفرق طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں ان کو ایک سلسلہ سے جوڑا جائے۔ چناں چہ اس کے لئے جامعہ اسلامیہ بھونگیر میں علماء کا ایک اجتماع رکھا گیا اور دودن کے بحث ومباحثہ کے بعد ''مجلس علمیہ'' کا قیام ۱۹۷۳ء میں پانچ مقاصد کے تحت عمل میں آیا۔ وہ پانچ مقاصد یہ ہیں۔(۱) تنظیم مدارس دینیہ۔(۲) دعوت وتبلیغ۔(۳) تصنیف وتالیف۔(۴) اکابرین ملت سے استفادہ۔(۵) مکاتب دینیہ کا قیام۔ الحمدللہ مجلس علمیہ اپنے روز قیام سے آج تک اکابر علماء کی سرپرستی میں خدمات انجام دے رہی ہیں اور اس کا نمائندہ ترجمان ماہنامہ ''ضیائے علم'' برابر شائع ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دائم وقائم رکھے۔ اس کے تحت سابق میں پالن حقانی صاحبؒ کو شہر میں پہلی مرتبہ بلایا گیا تھا اور بڑے تاریخی جلسے منعقد ہوئے۔

جامعہ نظامیہ سے علیحدگی:

شہر میں آپ کی خدمات کا سلسلہ روز بروز بڑھ رہا تھا، اور بدعات کے خلاف آپ کی کوششیں بھی جاری تھیں، لیکن بہرحال حالات کچھ ایسے بنائے گئے کہ آپ کو مدرسہ جامعہ نظامیہ چھوڑنا پڑا۔ ۱۴ مئی ۱۹۷۷ء آپ جامعہ نظامیہ سے علیحدہ ہوئے اور اس طرح آپ کا سولہ سالہ تدریسی خدمات کا اختتام ہوا۔ یہاں تک کہ جامع مسجد ملے پلی میں جہاں آپ کی خطابت تھی وہاں پر بھی کوشش کرکے آپ کے دروس وخطابت پر بھی پابندی لگادی گئی اور یہاں سے بھی آپ سبکدوش ہوگئے۔

حالات پر حضرت کا تجزیہ:

پالن حقانیؒ کے بیانات اور بدعات کے خلاف جدوجہد کے نتیجے میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ پر سخت حالات آئے، بارہ سال سے جاری دروس وبیانات پر کچھ لوگوں کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ

پابندی لگائی گئی، مدرسہ سے برطرف کروایا گیا، مسجد کی ذمہ داری سے دور کیا گیا۔ اس پر حضرت مولانا لکھتے ہیں: اللہ عظیم کا نظام جاہل انسانوں کے طور وطریق سے کس قدر مختلف ہے۔ انسان اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہے لیکن تقدیر الٰہی اس پر روتی ہے، یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ وہ صرف اپنے دست وبازو پر اعتماد کرلیتا ہے، اس کو یقین نہیں کہ اللہ علیم وخبیر کی بیدار آنکھیں اس کو دیکھ رہی ہیں، مظلوم کا حق ضائع نہیں ہوا کرتا، ظلم جس قدر بھی زیادہ ہوتا ہے، تائیدِ الٰہی مظلوم سے قریب تر ہونے لگتی ہے، ظالم کا ظلم تو خود اس کو اپنے انجام تک پہنچادیتا ہے لیکن اس مرحلہ پر مظلوم کی نئی اور کامیاب زندگی کا آغاز ہونے لگتا ہے۔ ایسا ہی کچھ راقم الحروف (حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ) کے ساتھ ہوا ایک بہت بڑا درِ خیر کھلنے والا تھا، جس کے لئے راہ کے خس وخاشاک دور ہونے ضروری تھے۔‘‘

سعودی عرب منتقلی:

چناں چہ انہی ایام میں آپ کے ایک مخلص دوست نے حج کے لئے بلوایا۔ حج سے فراغت کے بعد دوست نے کہا کہ اب ان شاء اللہ آپ کا یہاں مستقل قیام رہے گا واپسی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ آپ کی جملہ کفالت میرے ذمہ ہوچکی ہے۔ حج کے دو ماہ بعد ۱۹۷۸ء میں حکومتِ سعودی عرب نے ملک میں اعلان کیا حج یا عمرہ ویزا پر یہاں قیام کرنے والے اندرون تین ماہ کسی بھی سعودی کی کفالت پر قیام کی قانونی اجازت (اقامہ) حاصل کرلیں۔ چناں چہ اس کے بعد وہاں آپ کا قیام قانونی ہوگیا، میزبان اور مخلص دوست کے گھر پر حدیث، تفسیر وفقہ کے دروس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ قیام کے چھ آٹھ ماہ بعد مقامی مسجد کی امامت مل گئی۔ ’’مسجد الہدیٰ‘‘ جدہ میں محکمۂ اوقاف کی جانب سے آپ کا تقرر ہوگیا۔

حضرت مولانا سعودی عرب میں اپنی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں: بنیادی طور پر جو کام اپنے وطن میں کیا کرتا تھا اس کا سلسلہ یہاں (سعودی عرب میں) بھی جاری ہے۔ اگرچہ نوعیت کچھ مختلف ہوگئی، درس حدیث، تفسیر، فقہ کے حلقے بعینہ باقی ہیں، البتہ تدریسی سلسلہ یہاں ممکن نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اس کا نعم البدل تصنیف وتالیف کی شکل میں مہیا کردیا جو اپنے وطن میں ممکن نہ تھا۔‘‘

آپ کی تصنیفات:

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں یہ ہیں: (۱) ہدایت کے چراغ (سیرت انبیاء کرام) چودہ سو صفحات پر مشتمل۔ (۲) قرآنی تعلیمات۔

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

حرام کھانے سے پہلے یا فعل حرام کے ارتکاب کے وقت بسم اللہ کا حکم

سوال: حرام کھانے سے پہلے یا کسی حرام فعل کے ارتکاب کے وقت اگر کوئی بسم اللہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حرام کھانے سے پہلے یا فعل حرام کے ارتکاب کے وقت بصورت استخفاف بسم اللہ پڑھنا کفر ہے اگر کسی نے اس کا ارتکاب کیا تو اس پر توبہ اور تجدید ایمان فرض ہے۔(احسن الفتاوی ۱۰/ ۲۵)

فتویٰ کی بے حرمتی کرنے والے کا حکم

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ میں فتوے پر پیشاب کرتا ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر فتوی صحیح اور شریعت کے مطابق ہے، اور فتوے کو حق اور حکم شرع سمجھتے ہوئے توہین اور استخفاف کی نیت سے ایسا کہا تب تو کہنے والا کافر ہوجائے گا، اگر اس نے محض دشمنی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا تو کافر نہیں ہوگا۔(امداد الاحکام ۱/ ۱۴۸)

جب بہت سے افراد مرجائے تو نماز جنازہ کا کیا طریقہ ہے؟

سوال: دس مرد اور دس عورتیں اور دس لڑکے ایک دفعہ مرجائے تو نماز جنازہ کو یک جا پڑھنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ؟

جواب: جب بہت سے جنازے جمع ہوجائیں تو اولی تو یہ ہے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی جائے اور افضل کی تقدیم افضل ہے، اگر سب کی ایک ساتھ نماز پڑھنا چاہے تو بھی جائز ہے۔(امداد الفتاویٰ: ۱/ 574)

نامحرم عورتوں کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا

سوال: نامحرم عورتوں کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: نامحرم عورتوں کو سلام کرنا بہتر نہیں ہے، اور اگر نامحرم عورت سلام کرے تو دل ہی دل میں جواب دے دے، زبان سے جواب نہ دے، لیکن اگر بوڑھی عورت ہو تو زبان سے جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۱۲۶)

جنائز مشتبہ مسلم و کافر پر نماز جنازہ کا طریقہ

سوال: ایک جگہ چار آدمی آگ میں جل گئے اب یہ شناخت نہیں ہوتی کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان؟ تو اب شریعت کا کیا حکم ہے؟ نماز پڑھا کر دفن کیا جائے یا کوئی اور صورت ہوگی۔

جواب: سب کو غسل دیں اور سب کو سامنے رکھ کر یہ خیال کر کے نماز پڑھیں کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز پڑھتے ہیں اور سب کو دفن کر دیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۷۷)

قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا

سوال: مسجد بڑھا کر قبر کو اندر کر لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس پر جوتیاں وغیرہ اتارنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر قبر پرانی ہو جائے، اور غالب گمان یہ ہو کہ مردہ خاک ہو گیا ہے تو یہ سب امور جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ: ۱/۵۷۹)

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست ہے۔ (مستفاد از امداد الفتاویٰ: ۱/۵۷۹)

کھانے کے درمیان انگلیاں چاٹنا

سوال: کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیاں چاٹنا مستحب ہے، لیکن کیا کھانے کے درمیان میں بھی چاٹنا مستحب ہے؟

جواب: کھانے سے فراغت پا کر انگلیاں چاٹنا مستحب ہے، لیکن کھانے کے درمیان چاٹنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۱۴۰)

احوال وکوائف

جامعہ کے شب وروز

از: مفتی احمد علی قاسمی*

✷ ۳۰/نومبر ۲۰۱۹ء بعد تعطیلاتِ ششماہی، دوسری میعادِ ششماہی کا آغاز ہو، اور تقریباً ۹۰/فی صد طلبہ کرام بروقت حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بروقت حاضری کو ان کی تعلیم میں برکت کا سبب بنائے۔ آمین

✷ ۵/دسمبر ۲۰۱۹ء کو ادارہ کے شعبۂ نشرواشاعت سے ماہنامہ اشرف الجرائد دسمبر کا شمارہ بذریعہ پوسٹ ممبران کے نام پوسٹ ہوا۔

✷ ۸/دسمبر بروز یک شنبہ کو ماہانہ ''اشرف المجالس'' ہوئی، دن بھر ادارہ کی مسجدِ اشرف میں نظامِ اعتکاف چلا، جس میں سالکین انفرادی اعمال کے ساتھ ساتھ اصلاح وتربیت کی خصوصی مجالس سے مستفید ہوئے، بعد نماز مغرب ناظمِ ادارہ، مدیر محترم حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم کا ''دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی تیاری'' کے موضوع پر فکر انگیز اصلاحی خطاب ہوا۔

✷ ۱۲/دسمبر ۲۰۱۹ء کو شعبہ حفظ وناظرہ وشعبہ عالمیت کے طلبہ کرام کے مابین ''پانچواں اسلامی معلومات کوئز مسابقہ'' منعقد ہوا، جس میں ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرت خلفاء راشدین، قرآنی معلومات، سیاسی وجغرافیائی معلومات'' عنوانات پر طلبہ کا بہ صورت سوالات وجوابات شاندار مظاہرہ ہوا، اختتامِ پروگرام پر ممتاز طلبہ کرام میں امتیازی وترغیبی انعامات کی تقسیم عمل میں آئی، نیز اسی موقعہ پر ششماہی امتحان میں اعلیٰ نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کرام کو بھی قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

✷ ۱۳/دسمبر بروز جمعہ بعد نماز عشاء طلبہ ششم تا افتاء کا تحریری مسابقہ ہوا، ''شیخ الاسلام حیات وکارنامے، مولانا ابوالکلام آزاد حیات وکارنامے، تحریکِ خلافت، تحریک ریشمی رومال'' ان موضوعات پر پُر مواد مقالے تحریر کئے گئے۔

✷ ۱۴/دسمبر بروز شنبہ، ادارہ کے شعبہ معهد الاشرف (ڈگری کورس وعالم کورس کی مشترک تعلیم) سے فارغ طلبہ کرام کے لئے ایک روزہ تربیتی کیمپ خانقاہِ سعیدیہ میں منعقد ہوا، جس کی پہلی نشست میں میدانِ عمل میں دعوتی جد وجہد کے سلسلہ میں طلبہ کا آپسی تبادلۂ خیال ہوا، اور دوسری نشست میں حضرت ناظم صاحب مدظلہٗ نے اس شعبہ کے مقاصد بتائے اور طلبہ کرام سے خدمت دین کے سلسلے میں تربیتی خطاب فرمایا۔

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

✷ ۱۹/ڈسمبر بروز جمعرات میقاتِ اولیٰ میں طلبہ کرام اور اساتذہ عظام سے تعلیمی یکسوئی کے سلسلے میں حضرت ناظم صاحب مدظلہٗ کا خصوصی خطاب ہوا، جس میں طلبہ سے فرمایا: علم حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں، آنکھ اور کان، اور اشاعتِ علم کے دو ذریعے ہیں زبان وقلم؛ یعنی مطالعہ کریں اور اساتذہ کے دروس کو اہتمام سے سنیں، اور یہ علم اس وقت حاصل ہوگا جب طالب علم غیر تعلیمی مشاغل سے یکسو ہو، مدرسے میں انجمنوں کے قیام کے ذریعے تقریری وتحریری صلاحیتوں کو بنانے اور سنوارنے نظام ہے، اس لئے طلبہ انجمن میں پابندی سے شریک ہوں اور تقاریر اور مضامین تیار کر کے مافی الضمیر کے اظہار کی صلاحیت بنائیں۔

✷ ۲۶/ڈسمبر بروز جمعرات سورج گرہن کے موقعہ پر ادارہ کی مسجد اشرف میں ''صلوۃ الکسوف'' کا اہتمام ہوا، جس میں ادارہ کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ مقامی حضرات نے بھی شرکت کی، بعد صلوٰۃ الکسوف مہمانِ خصوصی محقق عالمِ دین حضرت مولانا عمر صاحب ندوی دامت برکاتہم حال مقیم سعودی عرب نے طلبہ کرام کو حصول علم دین کی اہمیت وافادیت پر نصیحت فرمائی اس کے بعد مختصر سی دعا فرمائی۔

مدیر محترم کی دینی ودعوتی سرگرمیاں

✷ یکم ڈسمبر ۲۰۱۹ ، ادارہ امداد العلوم نارائن کھیڑ، میدک میں یک روزہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد فرمایا اور حاضرین کو نبی ﷺ کی سیرت اور آپ کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔

✷ ۴/ڈسمبر ۲۰۱۹ شہر ممبئی میں مقامی مجلس دعوۃ الحق کے زیر اہتمام حفاظ، ائمہ، علماء سے خطاب فرمایا، بعد نماز عصر مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ کے طلبہ کو نصیحت فرمائی، بعد نمازِ مغرب شہر ہی کی ایک معروف مسجد میں عمومی جلسہ عام سے خطاب فرمایا ۔

✷ ۲۱/ڈسمبر ۲۰۱۹، کھمم میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے عمومی اجلاس سے خطاب فرمایا۔

✷ ۲۲/ڈسمبر ۲۰۱۹، این، ٹی، آر نگر، حیدرآباد میں خواتین کے اجتماع سے مخاطب ہوئے۔

✷ ۲۶/ڈسمبر ۲۰۱۹، فیض ایجوکیشن سنٹر کے زیر اہتمام قبل ظہر مرد وخواتین سے خطاب فرمایا۔

✷ ۲۸/ڈسمبر ۲۰۱۹، انگول میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام قبل ظہر ضلع کے ائمہ وعلماء سے خطاب فرمایا، بعد مغرب جلسہ عام سے خطاب کیا۔

✷ ۲۹/ڈسمبر ۲۰۱۹، مسجد ایوبی چنچل گوڑہ، حیدرآباد میں نماز کی پابندی کرنے والے طلبہ کو انعامات کی تقسیم فرمائی اور طلبہ والیاء سے خصوصی خطاب فرمایا۔

✷ ۳۱/ڈسمبر ۲۰۱۹، بورہ بنڈا حیدرآباد میں ادارہ وفاق المکاتب کے معلمین ومعلمات سے تربیتی خطاب فرمایا اور بعد نماز عشاء حالاتِ حاضرہ پر عوام کی رہنمائی فرمائی۔

ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 RD/RNP/HSE/884/20-22
Date of Publication 3rd January-20, date of Posting 5th Jan-20

SHAH HAYAT PALACE

Syed Hamed Shareef Cell : 9246363142
4-25-99/1, Piller No. 225, Diary Form,
Rajendar Nagar, Hyderabad.

شادی بیاہ و دیگر تقاریب کے لئے پرسکون، کشادہ اور تمام سہولیات سے آراستہ
ہمارے فنکشن ہالس سے استفادہ کیجئے!

SHAH FUNCTION PLAZA

Syed Majid Shareef Cell : 9908650648
11-6-860, Red Hills, Lakdikapul, Hyderabad-4.

Head Office
Syed Masood Shareef Cell : 9849044258

Printed.Published and Owned by Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Behind Masjid e Meraj, Sayeedabad, Hyd.